Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

30
२८

Urdu Literature Series

UMRAOJAN-ADA

Dr. MIRZA MOHD. HADI, RUSWA

اُمراؤجان اَدا

از

ڈاکٹر مرزا محمد ہادی رسوا

Right Reserved.

ALLAHABAD
RAM NARAIN LAL BENI MADHO
PUBLISHERS & BOOKSELLERS
Price Rs. 3·50 nP.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

Mohit

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اُردو لٹریچر سیریز

اُمراؤ جان آدا

مرزا رُسوا

پبلشرز

رام نرائن لال بینی مادھو

۲- کٹرہ روڈ - الہ آباد

۱۹۶۳ء

قیمت ۳ روپئے ۸/

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کوہ نور پرنٹنگ ورکس الہ آباد ۔ ۳

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہم کو بھی کیا کیا مزے کی داستانیں یاد تھیں
لیکن، اب تمہیدِ ذکرِ دَرد و ماتم ہوگئیں!

ناظرین! شانِ نزول اِس قصّہ کی یہ ہے کہ دس بارہ برس کا ذکر ہے کہ میرے ایک دوست منشی احمد حسین صاحب اطرافِ دہلی کے رہنے والے بطریق سیر و سیاحت لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ انھوں نے چوک میں سید حسین کے پھاٹک کے پاس ایک کمرہ کرایہ پر لیا تھا۔ یہاں اکثر احباب سرِ شام آ بیٹھتے تھے۔ بہت ہی لطف کی صحبت ہوتی تھی منشی صاحب کا مذاقِ شعر فہمی اعلیٰ درجے کا تھا۔ خود بھی کبھی کبھی کچھ کہہ لیتے تھے اور اچھا کہتے تھے۔ لیکن زیادہ تر اُن کے سُننے کا شوق تھا۔ اِس لئے اکثر شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا اسی کمرہ کے برابر ایک اور کمرہ تھا اُس میں ایک طوائف رہتی تھی۔ بود و باش کا طریقہ اور رنڈیوں سے بالکل علٰحدہ تھا۔ نہ کسی نے کمرہ پر سرِراہ بیٹھتے دیکھا نہ وہاں کسی کی آمد و رفت تھی دروازوں پر دن رات پردے پڑے رہتے تھے۔ چوک کی طرف نکاس کا راستہ بالکل بند رہتا تھا۔ گلی کی جانب ایک اور دروازہ تھا اسی سے نوکر چاکر آتے جاتے تھے۔ اگر کبھی کبھی رات کو گانے کی آواز نہ آیا کرتی تو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ اس کمرے میں کوئی رہتا بھی ہے یا نہیں۔ جس کمرے میں ہم لوگوں کی نشست تھی اُس میں ایک

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

چھوٹی سی کھڑکی لگی تھی مگر اس میں کرٹا پڑا ہوا تھا۔

ایک دن حسبِ معمول احباب کا جلسہ تھا۔ کوئی غزل پڑھ رہا تھا۔ احباب داد دے رہے تھے، اتنے میں مَیں نے ایک شعر پڑھا اُس کھڑکی کی طرف سے واہ کی آواز آئی۔ میں چُپ ہو گیا اور احباب بھی اُس طرف متوجہ ہو گئے۔ منشی احمد حسین نے پکار کر کہا "غائبانہ تعریف ٹھیک نہیں اگر شوقِ شعر و سخن ہے تو جلسے میں تشریف لائیے۔"

اِس کا کوئی جواب نہ ملا۔ میں پھر غزل پڑھنے لگا، بات رفت گذشت ہوئی۔ تھوڑی سی دیر کے بعد ایک "مہری" آئی اُس نے سب کو سلام کیا پھر یہ کہا "مرزا رسوا کون صاحب ہیں؟" احباب نے مجھے بتا دیا۔ مہری نے کہا "بیوی نے ذرا آپ کو بلایا ہے"۔ میں نے کہا "کون بیوی" مہری نے کہا "بیوی نے کہدیا ہے کہ نام نہ بتانا۔ آگے آپ کا جو حکم ہو۔"

مجھے مہری کے ساتھ جانے میں تاُمل ہوا۔ احباب مجھ سے مذاق کرنے لگے "ہاں صاحب کیوں نہیں، کبھی کی صاحب سلامت ہے جب تو اس طرح بُلا بھیجا۔"

میں دل میں غور کر رہا تھا کہ کون صاحب ایسے بے تکلف ہیں۔ اتنے میں اُدھر مہری نے کہا کہ "حضور! بیوی آپ کو اچھی طرح جانتی ہیں جب تو بُلا بھیجا ہے۔" آخر جانا ہی پڑا۔ جا کے جو دیکھا تو معلوم ہوا، آہ، ہا۔! اُمراؤ جان تشریف رکھتی ہیں۔

اُمراؤ۔ (دیکھتے ہی) واللہ! مرزا صاحب آپ تو ہمیں بھول ہی گئے۔

میں۔ یہ کسے معلوم تھا کہ آپ کوہ قاف میں تشریف رکھتی ہیں۔

امراؤ۔ یوں تو اکثر میں آپ کی آواز سُنا کرتی تھی مگر بُلانے کی جراُت نہ ہوئی آج آپ کی غزل نے بے چین کر دیا۔ بیساختہ مُنہ سے واہ نکل گیا۔ اُدھر کسی صاحب نے کہا "یہاں آئیے" میں اپنی جگہ پر آپ ہی شرمندہ ہوئی۔ جی میں آئی چُپ ہو رہوں مگر دل نہ مانا آخر اگلی خصوصیتوں کے لحاظ سے آپ کو تکلیف

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دی۔ معاف کیجیئے گا ہاں وہ شعر پڑھ دیجیئے۔

میں ۔ معاف تو کچھ بھی نہ ہوگا اور نہ میں شعر سناؤں گا۔ اگر آپ کو شوق ہے تو ذرا میں تشریف لے چلیئے۔

اُمراؤ۔ مجھے چلنے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن صاحب خانہ یا کسی اور صاحب کو میرا جانا ناگوار نہ ہو۔

میں ۔ آپ کے حواس درست ہیں ؟ بھلا ایسی جگہ میں آپ کو چلنے کے لئے کیوں کہتا۔ بے تکلف صحبت ہے۔ آپ کے جانے سے اور لطف ہوگا۔

اُمراؤ۔ یہ تو سچ ہے، مگر کہیں زیادہ بے تکلفی نہ ہو۔

میں ۔ جی نہیں۔ وہاں سوا میرے کوئی آپ سے بے تکلف نہیں ہو سکتا۔

اُمراؤ۔ اچھا تو کل آؤں گی۔

میں ۔ ابھی کیوں نہیں چلتیں ؟

اُمراؤ۔ اے ہے دیکھیئے تو کس حیثیت سے بیٹھی ہوں۔

میں ۔ وہاں کوئی مجرا تو ہے نہیں۔ بے تکلف صحبت ہے چلی چلیئے۔

امراؤ۔ ادی مرزا ! آپ کی باتیں لاجواب ہوتی ہیں۔ اچھا چلیئے میں آتی ہوں۔

میں اُٹھ کے چلا آیا۔ تھوڑی دیر بعد اُمراؤ جان صاحبہ کنگھی چوٹی کرکے کپڑے بدل کر آئیں۔

میں نے احباب سے چند الفاظ میں ان کے مذاقِ شعر و سخن اور کمالِ فن موسیقی وغیرہ کی تعریف کر دی تھی۔ لوگ مشتاق ہو گئے تھے۔ جب وہ تشریف لائیں تو یہ ٹھہری کہ سب صاحب اپنا اپنا کلام پڑھیں اور وہ بھی پڑھیں۔ خلاصہ یہ کہ بڑے لطف کا جلسہ ہوا۔ اس دن سے امراؤ جان اکثر شام کو چلی آتی تھیں۔ گھنٹہ دو گھنٹہ تک نشست رہتی تھی۔ کبھی شعر و شاعری کا جلسہ ہوا۔ کبھی انھوں نے کچھ گایا احباب محظوظ ہوئے۔ ایسے ہی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ایک جلسے کی کیفیت ہم یہاں لکھے دیتے ہیں۔ ان مشاعروں میں نہ کوئی طرح مقرر کی جاتی تھی اور نہ بہت سے لوگوں سے وعدے لئے جاتے تھے صرف بے تکلف احباب جمع ہو جاتے تھے اور اپنی اپنی تازہ تصنیف غزلیں پڑھتے تھے۔

مشاعرہ

کس کو سُنائیں حال دلِ زار اے اداؔ
آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

مرزا رسوا۔ کیا کہنا بی اُمراؤ جان صاحبہ! یہ مقطع تو آپ نے حسبِ حال کہا ہے، اور شعر کیوں نہ ہو۔

امراؤ جان۔ تسلیم مرزا صاحب! آپ کے سر کی قسم، بس وہ مطلع یاد تھا اور یہ مقطع خُدا جانے کس زمانہ کی غزل کا ہے۔ زبانی کہاں تک یاد رہے۔ بیاض نگوڑی گُم ہو گئی۔

منشی صاحب نے کہا اور وہ مطلع کیا تھا؟ ہم نے نہیں سُنا۔

رُسوا۔ آپ تو اہتمام میں مصروف ہیں۔ سُنے کون۔

اِس میں شک نہیں کہ منشی صاحب نے آج کے جلسے کے لئے بڑے سلیقہ سے انتظام کیا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ مہتابی پر دو گھڑی دن رہے چھڑکاؤ ہوا تھا تاکہ شام تک زمین سرد رہے۔ اسی پر دری بچھا کے اجلی چاندنی کا فرش کر دیا تھا۔ کوری کوری صُراحیاں پانی بھر کے کیوڑا ڈال کے مُنڈیر پر چُنوا دی گئی تھیں۔ اُن پر بالو کے آبخورے ڈھکے ہوئے تھے۔ برف کا انتظام علیحدہ کیا گیا تھا۔ کاغذی ہنڈیوں میں سفید پان کی سات سات گلوریاں سُرخ صافی میں لپیٹ کر کیوڑے میں بسا کر رکھ دی گئی تھیں۔ ڈھکنیوں پر تھوڑا تھوڑا کھانے کا خوشبودار تمباکو رکھ دیا تھا۔ ڈیڑھ خمے حقوں کے نیچوں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میں پانی چھڑک چھڑک کر ہار لپیٹ دئے تھے۔ چاندنی رات تھی اس لئے روشنی کا انتظام زیادہ نہیں کرنا پڑا۔ صرف ایک کنول دورے کے لئے روشن کر دیا گیا تھا۔ آٹھ بجتے بجتے سب احباب میر صاحب، آغا صاحب، خاں صاحب، شیخ صاحب، پنڈت صاحب وغیرہ وغیرہ تشریف لائے۔ پہلے شیر فالودہ کے ایک ایک پیالے کا دور چلا۔ پھر شعر و سخن کا چرچا ہونے لگا۔

منشی صاحب۔ تو پھر اہتمام آپ کیجئے، بندہ شعر سُنے گا۔

رُسوا۔ معاف فرمائیے۔ یہ دردِ سر مجھ سے نہ ہوگا۔

منشی صاحب۔ اچھا وہ مطلع کیا تھا؟

امراؤ۔ میں عرض کئے دیتی ہوں۔

کعبے میں جا کے بھول گیا راہ دیر کی
ایمان بچ گیا مرے مولا نے خیر کی

منشی صاحب۔ خوب کہا ہے۔

خاں صاحب۔ اچھا مطلع کہا ہے۔ مگر یہ بھول گیا کیوں؟

امراؤ۔ تو کیا خاں صاحب میں ریختی کہتی ہوں؟

خاں صاحب۔ مزا تو ریختی کا ہے۔ مرے مولا نے خیر کی، آپ ہی کی زبان سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

رُسوا۔ بس آپ کے حملے شروع ہو گئے۔ لے شعر سننے دیجئے، خاں صاحب۔ اگر سب آپ ہی کے سے محقق ہو گئے تو شعر گوئی کا مزا تشریف لے جائے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

خاں صاحب۔ (کسی قدر بُرے تیوروں سے) درست۔

رُسوا۔ اُمراؤ جان! اچھا تو کوئی اور غزل پڑھو۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اُمراؤ۔ دیکھئے کچھ یاد آئے تو عرض کروں۔

(تھوڑی دیر بعد)

شبِ فرقت بسر نہیں ہوتی

حُضّارِ جلسہ: واہ وا! سبحان اللہ! کیا کہنا

اُمراؤ۔ (تسلیمیں کرکے) یہ شعر ملاحظہ ہو:-

شورِ فریاد تا فلک پہنچا،
مگر اُس کو خبر نہیں ہوتی

رُسوا۔ کیا شعر کہا ہے۔

(حُضّار نے بھی تعریف کی

اُمراؤ۔ آپ کی عنایت۔ تسلیم۔ تسلیم۔ تسلیم۔

تیرے کوچے کے بے نواؤں کو
ہوسِ مال و زر نہیں ہوتی

(احباب۔ تعریف)

اُمراؤ۔ تسلیم!

جان دینا کسی پہ لازم تھا،
زندگی یوں بسر نہیں ہوتی۔

رُسوا۔ واہ! خاں صاحب یہ شعر ملاحظہ ہو۔

خاں صاحب۔ سبحان اللہ! حقیقت میں کیا شعر کہا ہے۔

اُمراؤ۔ آپ سب صاحب قدر افزائی فرماتے ہیں۔ ع ورنہ میں کیا مری حقیقت کیا

ہے یقیں وہ نہ آئیں گے پھر بھی
کب نگہ سوئے در نہیں جاتی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ب کہا۔

پنڈت صاحب۔ کیا ... کلام ہے۔

اُمراؤ۔ (تسلیم کر کے)

اب کس اُمید پر نظیری
شکوہ سنج اثر نہیں ہوتی

خاں صاحب۔ کیا اچھا کہا ہے۔ فارسیت ٹپک رہی ہے۔

منشی صاحب۔ جو کچھ ہو۔ مضمون اچھا ہے۔

اُمراؤ۔ تسلیم :۔

ہم اسیرانِ عشق کو صیاد
ہوسِ بال و پر نہیں ہوتی

(احباب :۔ تعریف)

اُمراؤ۔ تسلیم :۔

غلط اندازہی سہی وہ نظر
کیوں مرے حال پر نہیں ہوتی

خاں صاحب۔ ہاں ہونا چاہئے۔ خوب کہا ہے۔

اُمراؤ۔ مقطع ملاحظہ ہو۔

اے ادا ہم کبھی نہ مانیں گے
دل کو دل کی خبر نہیں ہوتی

خاں صاحب۔ کیا مقطع کہا ہے۔ یہ آپ اپنا تجربہ بیان کرتی ہیں اور لوگوں کی رائے اس کے خلاف ہے۔

اُمراؤ۔ ذاتی تجربہ جو کچھ ہو۔ میں نے ایک شاعرانہ مضمون لکھا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رُسوا۔ ذرا پھر تو پڑھیے۔

اُمراؤ جان نے پھر پڑھا۔

رُسوا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کے دونوں پہلو اس شعر سے نکل سکتے ہیں۔

خاں صاحب۔ واقعی مرزا صاحب کیا بات کہی۔

احباب - غزل از مطلع تا مقطع ایک نگینہ ہے۔

آغا صاحب۔ نشست الفاظ تو ملاحظہ ہو۔

پنڈت صاحب۔ کیا دُر فشانی کی ہے۔

اُمراؤ۔ (کھڑے ہو کر) تسلیم

منشی صاحب۔ خاں صاحب! اب آپ کچھ ارشاد فرمائیے۔

خاں صاحب۔ حضرت مجھے تو معاف کیجیے۔ کچھ یاد ہی نہیں آتا۔

رُسوا۔ کچھ تو پڑھیے۔

خاں صاحب نے ایک مطلع اور دو شعر پڑھے۔

حیف بنت العنب نہیں ملتی،
ماہ میں ایک شب نہیں ملتی

رُسوا۔ کیا اچھا کنایہ ہے۔ یعنی شب چہار دہم۔

خاں صاحب۔ تسلیم۔

یوں تو ملتی ہے دادِ صنعتِ شعر
دادِ حُسنِ طلب نہیں ملتی!

رُسوا۔ لاجواب شعر ہے۔

خاں صاحب۔ تسلیم۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

شوخیوں سے کسی کی میری مراد
پہلے ملتی تھی اب نہیں ملتی

رُسوا۔ کیا خوب فرمایا ہے، سبحان اللہ۔

(اس کے بعد ایک صاحب تشریف لائے۔ آدمی کے ہاتھ میں ٹ ٖ تھی)۔

خاں صاحب۔ یہ کون صاحب تشریف لائے ہیں۔ شب ماہ میں لالٹین کی کیا ضرورت تھی۔

نواب صاحب۔ حضرت حماقت تو ہوئی۔ معاف کیجئے گا۔

خاں صاحب۔ اخاہ! نواب صاحب۔ بحضور مضائقہ ندارد۔

(نواب صاحب تشریف لائے۔ سب نے تعظیم کی۔ غزل پڑھنے کی فرمائش ہوئی)۔

نواب صاحب۔ میں تو آپ صاحبان کا مشتاق ہو کے آیا ہوں۔ مجھے تو کچھ یاد نہیں۔

شیخ صاحب۔ جناب غزل پڑھنا ہوگی۔

نواب صاحب۔ اچھا، جو کچھ یاد آتا ہے عرض کئے دیتا ہوں۔

دل میں کھپ جائے گی قاتل کی ادا ایک نہ ایک
کارگر ہوگا کبھی تیر قضا ایک نہ ایک!

احباب۔ واہ کیا شعر کہا ہے۔

نواب صاحب۔ تسلیم۔ (اس کے بعد چپ ہو رہے)

رُسوا۔ اور کچھ ارشاد ہو۔

نواب صاحب۔ واللہ، اب کچھ یاد ہی نہیں آتا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

منشی صاحب۔ اب آپ دادِ فصاحت دیجیے۔

پنڈت صاحب۔ امتثالاً الامر، دو تین شعر عرض کیے دیتا ہوں:۔

وصل میں ذکرِ عدو بھی دم بدم ہوتا رہا
شربتِ دیدار میرے حق میں سم ہوتا رہا

احباب۔ تعریف۔

پنڈت صاحب۔ تسلیم:۔ عرض کیا ہے:۔

زاہد دو دن سے چرچا حق پرستی کا ہوا
ورنہ کعبہ میں سدا ذکرِ صنم ہوتا رہا

نواب صاحب۔ ہم نہیں کہہ سکتے، مگر خوب کہا ہے۔

پنڈت صاحب۔ کہیے، یا نہ کہیے، مگر بات سچی ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو۔

واعظا! کیوں سر جھکائے وہ کسی کے روبرو
جس کا سر نقشِ قدم پر اُس کے خم ہوتا رہا

احباب۔ تعریف۔

پنڈت صاحب۔ زُلف کی تعریف میں دفتر کے دفتر لکھ دیے
موبمو حالِ پریشانی رقم ہوتا رہا!

رُسوا۔ یہ خاص لکھنؤ کا مذاق ہے۔

پنڈت صاحب۔ اور آپ دہلی کے کب ہیں؟

رُسوا۔ اچھا شعر پڑھیے۔ میں نے تو ایک بات کہی۔

پنڈت صاحب۔ دل جو تھا پہلے گُلِ نو رستۂ باغِ مراد،
خار، خارِ حسرتِ رنج و الم ہوتا رہا

نواب صاحب۔ دیکھیے کیا شعر کہا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خاں صاحب۔ متانتِ الفاظ ملاحظہ ہو۔

پنڈت صاحب۔ تسلیم۔ مقطع ملاحظہ ہو۔

شکر یہ مخمور اس کا کب ادا تم سے ہوا
ہر نفس تجھ پر جو خالق کا کرم ہوتا رہا

خاں صاحب۔ سبحان اللہ۔! ہر نفسے کہ فرو میرود ممدّ حیات است و چوں بر می آید مفرّح ذات۔

رُسوا۔ خاں صاحب آپ کے مارے تو شعر ہی پڑھنا مشکل ہے۔

احباب۔ سبحان اللہ! کیا غزل فرمائی ہے۔

پنڈت صاحب۔ آپ کی عنایت، پرورش، بندہ نوازی۔ واللہ یہ آپ ہی لوگوں کا صدقہ ہے۔

منشی صاحب۔ شیخ صاحب! آپ تو کچھ ارشاد فرمائیے۔

شیخ صاحب۔ (مُسکرا کر) جی مجھے تو کچھ یاد نہیں۔

خاں صاحب۔ یاد نہیں۔ مگر ستر شعر کی غزل جیب میں ہو گی۔

شیخ صاحب۔ واللہ نہیں۔ صرف چار شعر ابھی موزوں کر لئے ہیں۔

رُسوا۔ تو پھر پڑھتے کیوں نہیں۔

شیخ صاحب۔ عرض کئے دیتا ہوں۔

عرض وہ عرض کہ جس میں کوئی اصرار نہ ہو
بات وہ بات کہ جس بات سے انکار نہ ہو

احباب۔ تعریف۔

شیخ صاحب۔ تسلیم:

مثل یوسف سر بازار پڑے پھرتے ہو
کیا ہی خسراؤ اگر کوئی خریدار نہ ہو

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رسوا۔ کیا اچھا مذاق ہے۔

شیخ صاحب۔ تسلیم :۔ دل وہ اچھا جو حسینوں کی نظر میں نہ جچے
جنس وہ خوب کوئی جس کا خریدار نہ ہو

خاں صاحب۔ بہت خوب۔

شیخ صاحب۔ تسلیم :۔ قتلِ عشاق کی بیکار قسم کھاتے ہو
ہم نہ مانیں گے اگر ہاتھ میں تلوار نہ ہو

اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے ایک پرچہ منشی احمد حسین کو دیا۔

منشی صاحب۔ (رقعہ پڑھ کے) لیجئے، مرزا صاحب تشریف نہیں لائیں گے یغزل تازہ بھیج دی ہے۔

میں نے آدمی سے پوچھا "کیا کر رہے ہیں"؟

آدمی۔ (مسکرا کے) جی حضور سکندر باغ سے سرِ شام بہت سے انگریزی درختوں کے نا ندے لے کے آئے ہیں ان کو گول حوض کے کنارے چبوتروں پر سجا رہے ہیں۔ مالی پانی دیتا جاتا ہے۔

رُسوا۔ جی ہاں! اُنھیں اپنے اعمال سے فرصت کہاں جو مشاعرے میں آئیں۔

منشی صاحب۔ اچھا تو غزل پڑھ دیجئے۔ واللہ کیا صحبت کو بے لطف کیا ہے۔ نہ آئے نا اچھا غزل ہی پڑھ دیجئے۔

رُسوا۔ سُنئے :۔

نہ پوچھو ہم سے کیونکر زندگی کے دن گذرتے ہیں
کسی بے درد کی فرقت میں جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
کوئی اُن سے کہے دل لیکے بھی یوں ہی مُکر جانا
عدو کے سامنے جو گالیاں دے کر مکرتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ابھی تو ہنس رہے ہیں مدعیٔ ذوقِ جراحت پر
نہ پوچھو اُس مزے کو جب نمک زخموں میں بھرتے ہیں
تماشہ ہو جو اُن کا بوسہ لے کر ہم مکر جائیں
بہت جو چاہنے والوں کا دل لے کر مکرتے ہیں
اُنھیں کا نام لے لے کر کوئی فرقت میں مرتا ہے
کبھی تو وہ بھی سن لیں گے جو بدنامی سے ڈرتے ہیں
بگاڑا ہم کو قسمت نے تو پھر بننا نہیں ممکن
وہ گیسو ہیں کسی کے جو بگڑ کے پھر سنورتے ہیں
کبھی شانے سے اُلجھے وہ کبھی آئینہ کو توڑا
سنورنے میں بگڑتے ہیں بگڑنے میں سنورتے ہیں
ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گی ادائیں اُن کے جوبن کی
دوپٹہ اوڑھ کر آڑا جو چلنے میں اُبھرتے ہیں
ادا سے ناز کو رسوا ہے دعویٰ پارسائی کا
کوئی پوچھے تو آخر مرنے والے کس پہ مرتے ہیں

احباب نے ہر شعر کی داد دی۔ مرزا سرِ تسلیم خم کیا۔ اس کے بعد مرزا صاحب
کی غزل پڑھنا شروع کی۔

ل رات کو اُنھیں جو کہیں دیر ہوگئی — دُنیا ہماری آنکھوں میں اندھیر ہوگئی
مرنے کے دن قریب ہیں شاید کہ اے حیات — تجھ سے طبیعت اپنی بہت سیر ہوگئی
یہودہ خواہشوں نے نہ جینے دیا ہمیں — ان موذیوں سے عقل اگر زیر ہوگئی
اے موت تجھ کو کیا ہوا، تو ہی بلا سے آ — اُن کو آتے آتے بڑی دیر ہوگئی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میری تباہیوں کی تمھیں اب خبر ہوئی — کیا پوچھتے ہو عمر یوں ہی تیر ہو گئی
آج ہم نے اُن سے آنے کا وعدہ لیا تو ہے — دم ہی نکل گیا جو اگر دیر ہو گئی
ٹلتا تھا میرے پاس سے اے کاہلی تجھے — کم بخت تو تو آکے یہیں ڈھیر ہو گئی
دبکی ہوئی تھی گربہ صفت خواہشِ گناہ — چمکارنے سے پھول گئی، شیر ہو گئی

مرزا مشاعرے میں نہ تشریف لائیں گے
تا چند انتظار؟ بڑی دیر ہو گئی

اس کے بعد مظہر الحق نامی ایک شاعر کہیں باہر کے رہنے والے جو اس وقت اتفاق سے واردِ مشاعرہ تھے انھوں نے یہ نظم پڑھی۔

ہے ہمارے مشاعروں کا یہ حال — جس کی اب نقل کرتے ہیں نقال
روشِ اہلِ فن پہ ہنستے ہیں — رنگ بزمِ سخن پہ ہنستے ہیں
کیا زمانہ میں غدر ہے توبہ — شاعری کی یہ قدر ہے توبہ
گو کہ پاسِ ادب نہیں کرتے — ہجو کچھ بے سبب نہیں کرتے
چلتے ہیں شاعرانِ خوش تقریر — اپنے ہمراہ لے کے جمِ غفیر
کب سخنور اکیلے جاتے ہیں — قدر دانوں کو لے کے آتے ہیں
جاتے ہیں معرکوں میں فوج سمیت — ساتھ ہوتے ہیں بے شمار پھندیت
جن کے ہمراہ یہ ہجوم نہ ہو — کبھی اُن کی غزل کی دھوم نہ ہو
اِک اُدھر واہ واہ کرتا ہے — اِک اِدھر آہ آہ کرتا ہے
واہ، کیا طرزِ دُر فشانی ہے — واہ، کیا وضعِ خوش بیانی ہے
فی الحقیقت، یہ ہے، نیا کہنا — کوئی کہتا ہے، واہ کیا کہنا
اس سے بہتر کہے گا کیا کوئی — کب ہے اُستاد آپ سا کوئی
اس زمانے میں آپ یکتا ہیں — واقعی فخرِ میر و مرزا ہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کب میسّر تھا اُن کو حُسنِ کلام
کچھ نہ تھے وہ ۔ فقط ہے نام ہی نام

اُن کے دیواں میں کب یہ نشتر ہیں
بخدا آپ اُن سے بہتر ہیں

اُن سے واللہ آپ اچھے ہیں
قسم باللہ، آپ اچھے ہیں،

کہیں بڑھ کر ہے آپ کا انداز
نکتہ سنجی ہے یا کہ ہے اعجاز

آپ قدرت نمائے 'معنیٰ' ہیں،
فی الحقیقت خدائے معنی ہیں

آپ کے آگے کون مُنہ کھولے
کس کا مقدور ہے جو کچھ بولے

ہے یہ انداز آپ کا حصّہ
ہے یہ اعجاز آپ کا حصّہ

دل میں ہم خوب کر چکے ہیں غور
آپ ہی آپ ہیں، نہیں کچھ اور

آپ ایسے ہیں، آپ ویسے ہیں
ہم سمجھتے ہیں آپ جیسے ہیں

آپ کیا قدر اپنی پہچانیں
پوچھیئے ہم سے، آپ کیا جانیں

آپ کا کام ہے ہوا بندی
آپ پر ختم ہے ادا بندی

ایسے شاعر ہوئے تھے کب پیدا
نہ ہوئے تھے، نہ ہوں گے اب پیدا

الغرض بے تکی اُڑاتے ہیں
بچھے جاتے ہیں، لوٹے جاتے ہیں

ان کی تعریف ہے وہ لاطائل
جس سے دُکھتا ہے دوسروں کا دل

مُنہ سے وہ شعر اُدھر نکالتے ہیں
یہ ادھر ٹوپیاں اُچھالتے ہیں

جن کی تعریف کا تھا یہ مذکور
اپنے دل میں بہت ہی ہیں مسرور

اگر اس میں کسی کو غصّہ آئے
کچھ تعجب نہیں کہ لٹھ چل جائے

نہیں یہ بات کچھ تعجب کی،
بلکہ اکثر ہوا ہے ایسا بھی

پڑھتے ہیں لفظ رُک رُک کے
ہو رہے ہیں سلام جھک جھک کے

گو بظاہر ہیں انکسار بہت،
دل میں ہے جوشِ افتخار بہت

کس قدر تغنے ہیں یہ برستے ہیں
خود بھی تعریف اپنی کرتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہوتی ہے لفظ لفظ کی تشریح — ہوتی ہے بات بات کی تصریح
کیوں نہ ہوں اپنی مدح کے شائق — جانتے ہیں کہ ہم ہیں اِس لائق
کس قدر دور ہیں، معاذاللہ — کیسے مغرور ہیں، معاذاللہ
نکتہ فہم ایسے نکتہ داں ایسے — شاعر ایسے ہیں قدرداں ایسے
جھوٹی تعریف کی حقیقت کیا — جب حقیقت نہ ہو تو لذّت کیا
اِس میں کیا حظ ہے یہ مزا کیا ہے — کوئی پوچھے انھیں ہوا کیا ہے
گو کہ میری مذمتیں ہوں گی — میں سمجھتا ہوں جو گتیں ہوں گی
صاف گوئی کی داد پاؤں گا، — میں بھی اپنی مُراد پاؤں گا!
کیا غرض ہے جو میں کسی سے ڈروں — بات سچّی ہے کیوں نہ کہہ گذروں
مجھ کو بھاتی نہیں: لگی لپٹی! — بلکہ آتی نہیں، لگی لپٹی!
طرزِ اہلِ سخن سے ناخوش ہوں — روشِ اہلِ فن سے ناخوش ہوں

شاعری ہے اگر اسی کا نام،
دور سے ایسی شاعری کو سلام

اس نظم کی انصاف پسند احباب نے بڑی تعریف کی۔ ہر شعر پر اہلِ محفل تعریف کرتے جاتے تھے۔ منشی صاحب پر وجد کا عالم طاری تھا۔ اُمراؤ جان جھوم رہی تھیں اور میرا حال تھا وہ میرے دل سے کوئی پوچھے۔

منشی صاحب۔ ہاں جناب آغا صاحب اب آپ کچھ فرمائیے۔

آغا صاحب۔ بہت خوب، مطلع اوّل ملاحظہ فرمائیے:۔

کہیں سلمان ایسے ہوں تو کچھ دل کو مرے کل ہو
مٹر اُبلے ہوئے ہوں اور اِک ٹھرّے کی بوتل ہو

احباب۔ آغا صاحب! کیا مطلع فرمایا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آغا صاحب ۔ اے حضرت ابھی آپ نے سُنا ہی کیا ہے ۔ دوسرا مطلع سُنئے ۔

وہ مضموں ڈھونڈھ کر باندھوں کہ جو مشکل سے مشکل ہو
کہوں وہ مطلع ثانی کہ جو اوّل سے اوّل ہو

احباب ۔ بے شک اوّل سے اوّل ہے ۔

آغا صاحب ۔ لے اب شعر ملاحظہ ہوں :۔

اگر جاڑے میں تو مِل جائے تو کیا غم ہے جاڑے کا
تری زلفیں ہوں شانے پر دوشالہ ہو نہ کمبل ہو

(اس شعر کا رُخ نواب صاحب کی طرف تھا جو جالی کا کُرتہ ہلکا بادامی رنگا اور باریک ململ کا انگرکھا پہنے بند کھولے ہوئے بیٹھے تھے اور ایک نہایت نفیس پنکھیا ہاتھ میں تھی اُسے جھلتے جاتے تھے)۔

احباب ۔ تعریف ۔

آغا صاحب ۔ شعر ملاحظہ ہو :۔

کہو بے چارگی میں بھی طبیعت خوش رکھے مجنوں
کہ چرے ناقہ لیلےٰ ہری جب دل کی کونپل ہو !

پنڈت صاحب ۔ سبحان اللہ اور تو اور، یہ بے چارگی سے کیا چارہ نکالا ہے ۔

احباب ۔ واللہ سمجھے بھی خوب ۔ سمجھ ہو تو ایسی ہو، نہیں تو نہ ہو ۔

آغا صاحب ۔ نہ ہو ۔ اچھا اب یہ شعر سُنئے :۔

کہو عشّاق سے اپنے کہ ضبطِ گریہ فرمالیں
رُکے گا راستہ گھر کا اگر کوچہ میں دلدل ہو

شیخ صاحب ۔ اچھی کہی ۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رُسوا۔ (خاں صاحب سے) آپ کیوں سکوت میں ہیں، کوئی اعتراض نکالئے۔

آغا صاحب۔ ہاں جناب سکوت سخن شناس ٹھیک نہیں۔

خاں صاحب۔ آپ میری تعریف کو تحسین ناشناس نہ سمجھئے۔ اس لئے چُپ ہوں۔

آغا صاحب۔ نہیں حضرت میری ایسی اُلٹی سمجھ نہیں ہے۔

احباب۔ اِس فقرہ پر لوٹ گئے۔

آغا صاحب۔ شعر سُنئے:۔

ہمیں رشک آئے اپنے سے۔ ہمیں سے غیر پیدا ہو
ہم ایسے دو نظر آئیں اگر معشوق احول ہو

احباب۔ آغا صاحب سبحان اللہ! کیا نازک خیالی ہے۔

آغا صاحب۔ ابھی کمسن ہیں، ان کو شوق ہے لنگڑ لڑانے کا
تکلّا ڈور کا ہو، اِک، نہ کنکیا نہ تکّل ہو

(اس شعر کا رُخ بھی نواب صاحب کی طرف تھا اس لئے کہ
آپ ہی کی سرکار سے کنکوے کی برات بڑی دھوم سے نکلی تھی)

آغا صاحب۔ کوئی اُن سے کہے جو شعر معنٰی بند کہتے ہیں
کھُلے کیا رازِ سربستہ جو دروازہ مقفّل ہو

رُسوا۔ آغا صاحب کیا کہنا۔ اُمراؤ جان! ذرا سُننا۔ کیا شعر کہا ہے۔

اُمراؤ۔ سبحان اللہ! میں پہلے ہی سمجھ گئی، جو چاہیں کہیں مالک ہیں۔

آغا صاحب۔ تو صاف کیوں نہیں کہتیں کہ دوزخ کا دربان ہوں۔ اچھا سُنئے۔

کسی صورت سے بہلالیں گے اس معشوق کمسن کو
ڈبل پیسہ نہ ہو، ریوڑی نہ ہو تو گول گپّل ہو!

احباب۔ کیا کہنا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آغا صاحب :- کبھی گالی سنا بیٹھے، کبھی جوتا لگا بیٹھے،
حکومت کا مزا آئے اگر معشوق ارزل ہو

خاں صاحب۔ درست، مگر آپ کی شرافت سے بعید ہے۔
آغا صاحب ۔ جناب شریف کون ہے اِس زمانے میں۔
خُدا کے فضل سے اُترا تھا کیا ہی عرش سے جوڑا
نہ مجھ سا کوئی لُگرگا ہو نہ تم سی کوئی شفتل ہو

نواب صاحب۔ خوب، مگر روئے سخن کسی کی طرف ہے ۔؟
آغا صاحب۔ یہ تو آپ ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ محرم راز ہیں،
السر عند کرام الناس مکتوم۔

خاں صاحب۔ آپ جواب دیجئے۔
آغا صاحب۔ آپ کیا جواب دیں گے۔ یہ شعر سُنئے :۔
ہم اُس نازک ادا کی شوخیوں پر جان دیتے ہیں
شتر کے جس میں غمزے ہوں، فرس کی جس میں چھلبل ہو

احباب ۔ واہ ری ہمت ۔
آغا صاحب ۔ اچھا نہ سہی، یہ سُنئے :۔
میں دل کو چیر ڈالوں گا جو تم پہلو سے اُٹھ جاؤ،
میں آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا جو تم آنکھوں سے اوجھل ہو

احباب ۔ خوب ۔
آغا صاحب ۔ تمھاری سادگی میں کچھ عجب عالم نکلتا ہے،
نہ چوٹی ہو نہ کنگھی ہو، نہ مِسّی ہو نہ کاجل ہو

اُمراؤ ۔ اُدئی، تو کیا دن رات سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھا رہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آغا صاحب ۔ سادگی کا یہی مزا ہے اور دوسرے خرچ کی بھی کفایت ہے۔
(اس مذاق میں لطف یہ ہے کہ اُمراؤ جان کسی قدر حسین مشہور تھیں)
سُنیے:۔

ٹکا جب ہم سے وہ مانگیں، اُنھیں چپکے سے ہم دیدیں
نہ بک بک ہو نہ جھک جھک ہو، نہ کچ کچ ہو نہ کل کل ہو

احباب ۔ کیا مصرع کہا ہے۔
خاں صاحب ۔ اوپر کا مصرع بھی خوب لگایا ہے۔ وہی ارذل کی رعایت چلی آتی ہے۔
(امراؤ جان، ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوئی جاتی تھیں۔)
آغا صاحب ۔ اچھا تو اب ایسے شعر نہ پڑھیں گے۔ ہمارا معشوق ذلیل ہوا جاتا ہے۔ نازک خیالی سُنیے:۔

تری نازک کمر کے باب میں پھلک لگا دیں گے
وہ کیا سمجھے یہ باریکی طبیعت جس کی گُٹھل ہو

خاں صاحب۔ میں تسلیم کئے لیتا ہوں میری طبیعت ایسی ہی ہے جیسا آپ ارشاد فرماتے ہیں مگر برائے خدا اس پھلک کے معنی سمجھا دیجئے۔
آغا صاحب۔ خیر! خاطر ہے سُن لیجئے۔ محاسب لوگ خانہ بُری کے بجائے نُدارد کے (×) نشان بنا دیا کرتے ہیں۔ اس لئے اس سے یہ کمر معدوم ہے۔ ایک خط نے دوسرے کو بیچوں بیچ سے کاٹ دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ معشوق کی کمر کٹی ہوئی اور پھر جُڑی ہوئی بھی ہے۔
خاں صاحب۔ یہ کیوں کر؟
آغا صاحب۔ اس باریکی کو نہ پوچھیے۔ خیر حضرات واضح ہو کہ پھلک علم ریاضی میں علامت جمع کی ہے۔ لطف یہ ہے کہ علامت کی کوئی مقدار نہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہوتی۔ مطلب یہ نکلا کہ کمر باوجود معدوم ہونے کے جسم کے دونوں حصّوں کو جوڑے ہوئے ہے۔

احباب۔ حضرت بس نازک خیالی کی حد ہو گئی۔ جو کوئی اتنے علم جانتا ہو وہ آپ کے شعر سمجھے۔

آغا صاحب۔ اسی لئے تو ہم ایسے ویسے لوگوں کے سامنے پڑھتا نہیں۔ افسوس اُستاد مرحوم زندہ نہ ہوئے نہیں تو ان شعروں کی کچھ داد ملتی۔ اب سمجھنے والوں میں کون رہ گیا ہے۔ خیر اب مقطع سن لیجیے۔ طبیعت کو شگفت ہو گئی۔ کوئی قدر داں نہیں ہے۔

بس اے قزاق بس، طبعِ قیامت خیز کو روکو
غضب ہو جائے گا فوجِ مضامیں میں جو ہلچل ہو

احباب۔ مقطع پھر عنایت ہو۔

(آغا صاحب نے دوبارہ پڑھا)

نواب صاحب۔ کیا زبردست تخلص رکھا ہے۔

آغا صاحب۔ معاف فرمایئے گا۔ ہے تو کچھ ایسا ہی۔ مگر کچھ نازیبا نہیں ہے۔ ایک تو خاندانی اعتبار سے اس لئے کہ فدوی کے آبا و اجداد دشتِ قفچاق میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ دوسرے اس سبب سے کہ اُستاد مرحوم سارق تخلص فرماتے تھے اور یہ کچھ ایسا مناسب نہ تھا، اس لئے کہ (اُن کی روح شرمندہ نہ ہو) عمر بھر دوسرے شعرا کے مضمون چُرا چُرا کر شعر موزوں فرمایا کیے۔ سارا دیوان ملاحظہ کر لیجیے شاید ہی کوئی شعر نیا ہو۔

جب اشہبِ خامہ کی لگام میرے دستِ اقتدار میں آئی تو میں نے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سرقہ کو اپنی شان کے منافی سمجھ کر قزاق تخلص رکھ لیا۔ کچھ نہ بھی اس میں ایک طرح کا بانکپن تو ہے۔ بندہ کا یہ دستور رہا ہے کہ شعرائے ماضی و حال کے مضامین زبردستی چھین کر اپنے قبضۂ تصرف میں کر لوں۔

نواب صاحب۔ بہت مبارک۔

مشاعرہ ختم ہونے کے بعد فالسہ کی برف جمائی گئی اُس کی دو دو قفلیاں احباب نے نوش کیں۔ سب اپنے اپنے مکان تشریف لے گئے۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا۔ منشی صاحب نے اور میں نے اور اُمراؤ جان نے کھانا کھایا۔

منشی صاحب۔ (اُمراؤ جان سے) ذرا اپنا مطلع تو وہ پڑھئے جو آپ نے پہلے پڑھا تھا۔

اُمراؤ۔ کس کو سُنائیں حالِ دلِ زار اے ادا
آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

منشی صاحب۔ اِس میں شک نہیں کہ آپ کے حالات بہت ہی دلچسپ ہوں گے جب سے آپ نے یہ مطلع پڑھا ہے مجھے یہی خیال ہے۔ اگر آپ اپنی سرگذشت بیان کریں تو لطف سے خالی نہ ہوگا۔ میں نے بھی منشی صاحب کے بیان کی تائید کی، مگر امراؤ جان پہلو بچاتی رہیں۔

ہمارے منشی صاحب کو ابتدائے سن ہی سے قصّہ کہانیوں کا شوق تھا۔ الف لیلیٰ و امیر حمزہ کی داستان کے علاوہ بوستان خیال کی کُل جلدیں نظر سے گذری ہوئی تھیں۔ کوئی ناول ایسا نہ تھا جو آپ نے نہ دیکھا ہو۔ مگر لکھنؤ میں چند روز رہنے کے بعد جب اہل زبان

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کی اصلی بول چال کی خوبی کھلی، اکثر ناول نویسوں کے بے تکے قصّے مصنوعی زبان اور تعصب آمیز اور بیہودہ جوش دلانے والی تقریریں آپ کے دل سے اُتر گئی تھیں۔ لکھنؤ کے با مذاق لوگوں کی گفتگو بہت ہی پسند آتی تھی۔ اُمراؤ جان کے اس مطلع نے آپ کے دل میں وہ خیال پیدا کیا جس کا اشارہ اوپر کیا گیا ہے۔ القصہ منشی صاحب کے شوق اور میری اشتعالک نے امراؤ جان کو مجبور کیا اور وہ اپنی سرگذشت کہنے پر مجبور ہو گئیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اُمراؤ جان کی تقریر بہت شُستہ تھی اور کیوں نہ ہو اول تو خواندہ، دوسرے اعلیٰ درجے کی رنڈیوں میں پرورش پائی شہزادوں اور نواب زادوں کی صحبت اُٹھائی محلات شاہی تک رسائی۔ جو کچھ انھوں نے دیکھا، اور لوگوں نے کانوں سے نہ سُنا ہوگا۔

اپنی سرگذشت وہ جس قدر کہتی جاتی تھیں میں اُن سے چھپا کے وہ لکھتا جاتا تھا۔ تمام ہونے کے بعد میں نے مسودہ دکھایا اس پر اُمراؤ جان بہت بگڑیں۔ مگر اب کیا ہوتا تھا۔ آخر کچھ سمجھ بوجھ کے چُپ ہو رہیں۔ خود پڑھا اور جہاں کچھ رہ گیا تھا اسے جا بجا درست کر دیا۔

میں امراؤ جان کو اس زمانے سے جانتا ہوں جب اُن کی نواب صاحب سے ملاقات تھی انھیں دنوں میری نشست بھی اکثر وہاں رہتی تھی۔ اِس سرگذشت میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس کے حرف بحرف صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ مگر یہ میری ذاتی رائے ہے ناظرین کو اختیار ہے جو چاہیں قیاس کریں۔

مرزا رسوا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۱)

لُطف ہے کون سی کہانی میں
آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی !

سُنیئے مرزا صاحب! آپ مجھ سے کیا چھیڑ چھیڑ کر پوچھتے ہیں، مجھ کم نصیب کی سرگذشت میں ایسا کیا مزا ہے جس کے آپ مشتاق ہیں۔ ایک ناشاد و نامراد، آوارہ وطن، خانماں برباد، ننگ خاندان، عارِ دو جہاں کے حالات سن کے مجھے ہرگز اُمید نہیں کہ آپ خوش ہوں۔

اچھا سُنیئے اور اچھی طرح سُنیئے :-

باپ دادا کے نام لے کر اپنی سرخروئی جتانے سے فائدہ کیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے یاد بھی نہیں۔ ہاں اتنا جانتی ہوں کہ فیض آباد میں شہر کے کنارے کسی محلہ میں میرا گھر تھا۔ میرا مکان پختہ تھا، آس پاس کچھ کچے مکان۔ کچھ جھوپڑے، کچھ کھپریلیں۔ رہنے والے بھی ایسے ہی ویسے لوگ ہوں گے۔ کچھ بہشتی، کچھ نائی، دھوبی، کہار۔ میرے مکان کے سوا ایک اونچا گھر اُس محلہ میں اور بھی تھا۔ اُس مکان کے مالک کا نام دلاور خاں تھا۔ میرے ابا بہو بیگم صاحبہ کے مقبرے پر نوکر تھے معلوم نہیں کا ہے میں اسم تھا۔ کیا تنخواہ تھی۔ اتنا یاد ہے کہ لوگ اُن کو جمعدار کہتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دن بھر میں اپنے بھائی کو کھلایا کرتی تھی اور وہ بھی مجھ سے اس قدر ہلا ہوا تھا کہ دم بھر کے لئے نہ چھوڑتا تھا۔ ابّا جب شام کو نوکری پر سے آتے تھے اُس وقت کی خوشی ہم بھائی بہنوں کی کچھ نہ پوچھئے۔ میں کمر سے لپٹ گئی۔ بھائی ابّا ابّا کر کے دوڑا، دامن میں چمٹ گیا۔ ابّا کی باچھیں مارے خوشی کے کھلی جاتی ہیں مجھ کو چمکارا۔ پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ بھیّا کو گود میں اُٹھا لیا۔ پیار کرنے لگے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ کبھی خالی ہاتھ گھر نہ آتے تھے۔ کبھی دو کتارے ہاتھ میں ہیں کبھی بتاشوں یا تل کے لڈّوؤں کا دونا ہاتھ میں ہے۔ اب اس کے حصّے لگائے جا رہے ہیں۔ اُس وقت بھائی بہنوں میں کس مزے کی لڑائیاں ہوتی تھیں وہ کتارا چھیننے لئے جاتا ہے۔ میں مٹھائی کا دونا ہتھیائے لیتی ہوں۔ اماں سامنے کھپریل میں بیٹھی کھانا پکا رہی ہیں۔ ابّا ادھر آ کے بیٹھتے نہیں کہ اُدھر میرے تقاضے شروع ہو گئے۔ "ابّا اللہ گُڑیاں نہیں لائے۔ دیکھو میرے پاؤں کی جوتی کیسی ٹوٹ گئی ہے۔ تم کو تو خیال ہی نہیں رہتا۔ لو ابھی تک میرا طوق سُنار کے یہاں سے بن کر نہیں آیا چھوٹی خالہ کے لڑکے کی دودھ بڑھائی ہے۔ بھئی میں جاؤں گی کیا پہن کر۔ چاہے کچھ ہو عید کے دن تو میں نیا جوڑا پہنوں گی۔ ہاں میں تو نیا جوڑا پہنوں گی۔

جب اماں کھانا کھا چکیں مجھے آواز دی۔ میں گئی، روٹی کی ٹوکری اور سالن کی پتیلی اُٹھا لائی دسترخوان بچھا۔ اماں نے کھانا نکالا۔ سب نے سر جوڑ کے کھانا کھایا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ ابّا نے عشا کی نماز پڑھی، سو رہے۔ صبح کو تڑکے ابّا اُٹھے، نماز پڑھی، اسی وقت میں کھٹکے سے اُٹھ بیٹھی پھر فرمائشیں شروع ہوئیں۔

"میرے ابّا آج نہ بھولنا گُڑیاں ضرور لیتے آنا۔ ابّا شام کو بہت سے امرود اور نارنگیاں لانا۔۔۔"

ابّا صبح کی نماز پڑھ کے وظیفہ پڑھتے ہوئے کوٹھے پر چڑھ جاتے تھے۔ کبوتروں کو کھول کے دانہ دیتے تھے۔ ایک دو ہوائیں اُڑاتے تھے۔ اتنے میں اماں جھاڑو وغیرہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

منشی صاحب۔ اب آپ دادِ فصاحت دیجئے۔

پنڈت صاحب۔ امتثالاً الامر، دو تین شعر عرض کئے دیتا ہوں:۔

وصل میں ذکرِ عدو بھی دم بدم ہوتا رہا
شربتِ دیدار میرے حق میں سم ہوتا رہا

احباب۔ تعریف۔

پنڈت صاحب۔ تسلیم:۔ عرض کیا ہے:۔

زاہدو دو دن سے چرچا حق پرستی کا ہوا
ورنہ کعبہ میں سدا ذکرِ صنم ہوتا رہا

نواب صاحب۔ ہم نہیں کہہ سکتے، مگر خوب کہا ہے۔

پنڈت صاحب۔ کہئے، یا نہ کہئے، مگر بات سچی ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو۔

واعظا! کیوں سر جھکائے وہ کسی کے روبرو
جس کا سر نقشِ قدم پر اُس کے خم ہوتا رہا

احباب۔ تعریف۔

پنڈت صاحب۔ زُلف کی تعریف میں دفتر کے دفتر لکھ دئے
مو بمو حالِ پریشانی رقم ہوتا رہا!

رُسوا۔ یہ خاص لکھنؤ کا مذاق ہے۔

پنڈت صاحب۔ اور آپ دہلی کے کب ہیں؟

رُسوا۔ اچھا شعر پڑھئے۔ میں نے تو ایک بات کہی۔

پنڈت صاحب۔ دل جو تھا پہلے گلِ نورستۂ باغِ مراد،
خار، خارِ حسرتِ رنج و الم ہوتا رہا

نواب صاحب۔ دیکھئے کیا شعر کہا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خاں صاحب۔ متانتِ الفاظ ملاحظہ ہو۔

پنڈت صاحب۔ تسلیم۔ مقطع ملاحظہ ہو۔

شکریہ مخمور اس کا کب ادا تم سے ہوا
ہر نفس تجھ پر جو خالق کا کرم ہوتا رہا

خاں صاحب۔ سبحان اللہ۔! ہر نفسے کہ فرو میرود ممدِ حیات است و چوں بر می آید مفرّحِ ذات۔

رُسوا۔ خاں صاحب آپ کے مارے تو شعر ہی پڑھنا مشکل ہے۔

احباب۔ سبحان اللہ! کیا غزل فرمائی ہے۔

پنڈت صاحب۔ آپ کی عنایت، پرورش، بندہ نوازی۔ واللہ یہ آپ ہی لوگوں کا صدقہ ہے۔

منشی صاحب۔ شیخ صاحب! آپ تو کچھ ارشاد فرمائیے۔

شیخ صاحب۔ (مُسکرا کر) جی مجھے تو کچھ یاد نہیں۔

خاں صاحب۔ یاد نہیں۔ مگر ستر شعر کی غزل جیب میں ہو گی۔

شیخ صاحب۔ واللہ نہیں۔ صرف چار شعر ابھی موزوں کر لئے ہیں۔

رُسوا۔ تو پھر پڑھتے کیوں نہیں۔

شیخ صاحب۔ عرض کئے دیتا ہوں۔

عرض وہ عرض کہ جس میں کوئی اصرار نہ ہو
بات وہ بات کہ جس بات سے انکار نہ ہو

احباب۔ تعریف۔

شیخ صاحب۔ تسلیم!

مثلِ یوسف سرِ بازار پڑے پھرتے ہو
کیا ہی شرماؤ اگر کوئی خریدار نہ ہو

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رسوا۔ کیا اچھا مذاق ہے۔

شیخ صاحب۔ تسلیم:۔ دل وہ اچھا جو حسینوں کی نظر میں نہ جمے
جنس وہ خوب کوئی جس کا خریدار نہ ہو

خاں صاحب۔ بہت خوب۔

شیخ صاحب۔ تسلیم:۔ قتلِ عشاق کی بیکار قسم کھاتے ہو
ہم نہ مانیں گے اگر ہاتھ میں تلوار نہ ہو

اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے ایک پرچہ منشی احمد حسین کو دیا۔

منشی صاحب۔ (رقعہ پڑھ کے) لیجیے" مرزا صاحب تشریف نہیں لائیں گے۔ غزل تازہ بھیج دی ہے۔

میں نے آدمی سے پوچھا "کیا کر رہے ہیں"

آدمی۔ (مسکرا کے) جی حضور سکندر باغ سے سرِ شام بہت سے انگریزی درختوں کے نا ندے لے کے آئے ہیں ان کو گول حوض کے کنارے پتھروں پر سجا رہے ہیں۔ مالی پانی دیتا جاتا ہے۔

رُسوا۔ جی ہاں! اُنھیں اپنے اعمال سے فرصت کہاں جو مشاعرے میں آئیں۔

منشی صاحب۔ اچھا تو غزل پڑھ دیجیے۔ واللہ کیا صحبت کو بے لطف کیا ہے۔ نہ آئے نا اچھا غزل ہی پڑھ دیجیے۔

رُسوا۔ سُنئے:۔

نہ پوچھو ہم سے کیونکر زندگی کے دن گذرتے ہیں
کسی بے درد کی فرقت میں جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
کوئی اُن سے کہے دل لیکے بھی یوں ہی مُکر جانا
عدو کے سامنے جو گالیاں دے کر مُکرتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ابھی تو ہنس رہے ہیں مُدّعی ذوقِ جراحت پر !
نہ پوچھو اُس مزے کو جب نمک زخموں میں بھرتے ہیں
تماشہ ہو جو اُن کا بوسہ لے کر ہم مُکر جائیں
بہت جو چاہنے والوں کا دل لے کر مُکرتے ہیں
اُنھیں کا نام لے لے کر کوئی فرقت میں مرتا ہے
کبھی تو وہ بھی سُن لیں گے جو بدنامی سے ڈرتے ہیں
بگاڑا ہم کو قسمت نے تو پھر بننا نہیں ممکن
وہ گیسو ہیں کسی کے جو بگڑ کے پھر سنورتے ہیں
کبھی شانے سے اُلجھے وہ کبھی آئینہ کو توڑا
سنورنے میں بگڑتے ہیں بگڑنے میں سنورتے ہیں
ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گی ادائیں اُن کے جوبن کی
دوپٹہ اوڑھ کر آڑا جو چلنے میں اُبھرتے ہیں
ادا سے ناز کو رُسوا ہے دعویٰ پارسائی کا
کوئی پوچھے تو آخر مرنے والے کس پہ مرتے ہیں

احباب نے ہر شعر کی داد دی۔ مرزا نے سرِ تسلیم خم کیا۔ اس کے بعد مرزا صاحب کی غزل پڑھنا شروع کی۔

کل رات کو اُنھیں جو کہیں دیر ہو گئی
دُنیا ہماری آنکھوں میں اندھیر ہو گئی
مرنے کے دن قریب ہیں شاید کہ اے حیات
تجھ سے طبیعت اپنی بہت سیر ہو گئی
بیہودہ خواہشوں نے نہ جینے دیا ہمیں
ان موذیوں سے عقل اگر زیر ہو گئی
اے موت تجھ کو کیا ہوا، تو ہی بلا سے آ
اُن کو تو آتے آتے بڑی دیر ہو گئی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میری تباہیوں کی تمہیں اب خبر ہوئی ‏ ‏ ‏ ‏ کیا پوچھتے ہو عمر یوں ہی تیرہ ہو گئی
آج ہم نے اُن سے آنے کا وعدہ لیا تو ہے ‏ ‏ ‏ ‏ دم ہی نکل گیا جو اگر دیر ہو گئی
ٹلنا تھا میرے پاس سے اے کاہلی تجھے ‏ ‏ ‏ ‏ کم بخت تو تو آ کے یہیں ڈھیر ہو گئی
دبکی ہوئی تھی گربہ صفت خواہشِ گناہ ‏ ‏ ‏ ‏ چمکارنے سے پھول گئی، شیر ہو گئی

مرزا مشاعرے میں نہ تشریف لائیں گے
تا چند انتظار؟ بڑی دیر ہو گئی

اس کے بعد مظہر الحق نامی ایک شاعر کہیں باہر کے رہنے والے جو اس وقت اتفاق سے وارد مشاعرہ تھے انھوں نے یہ نظم پڑھی۔

ہے ہمارے مشاعروں کا یہ حال ‏ ‏ ‏ ‏ جس کی اب نقل کرتے ہیں نقال
روشِ اہلِ فن پہ ہنستے ہیں، ‏ ‏ ‏ ‏ رنگ بزمِ سخن پہ ہنستے ہیں
کیا زمانہ میں غدر ہے توبہ، ‏ ‏ ‏ ‏ شاعری کی یہ قدر ہے توبہ!
گو کہ پاسِ ادب نہیں کرتے ‏ ‏ ‏ ‏ ہجو کچھ بے سبب نہیں کرتے
چلتے ہیں شاعرانِ خوش تقریر ‏ ‏ ‏ ‏ اپنے ہمراہ لے کے جمِّ غفیر
کب سخنور اکیلے جاتے ہیں! ‏ ‏ ‏ ‏ قدر دانوں کو لے کے آتے ہیں،
جاتے ہیں معرکوں میں فوج سمیت ‏ ‏ ‏ ‏ ساتھ ہوتے ہیں بے شمار پھندیت
جن کے ہمراہ یہ ہجوم نہ ہو، ‏ ‏ ‏ ‏ کبھی اُن کی غزل کی دھوم نہ ہو
اک اُدھر واہ واہ کرتا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ اک اِدھر آہ آہ کرتا ہے
واہ، کیا طرزِ دُر فشانی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ واہ، کیا وضعِ خوش بیانی ہے
فی الحقیقت، "یہ ہے" نیا کہنا ‏ ‏ ‏ ‏ کوئی کہتا ہے، واہ کیا کہنا
اس سے بہتر کہے گا کیا کوئی ‏ ‏ ‏ ‏ کب ہے اُستاد آپ سا کوئی
اس زمانے میں آپ یکتا ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ واقعی فخرِ میر و مرزا ہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کب میسّر تھا اُن کو حُسنِ کلام
کچھ نہ تھے وہ۔ فقط ہے نام ہی نام

اُن کے دیواں میں کب یہ نشتر ہیں
بخدا آپ اُن سے بہتر ہیں

اُن سے واللہ آپ اچھے ہیں
ثم باللہ، آپ اچھے ہیں،

کہیں بڑھ کر ہے آپ کا انداز
نکتہ سنجی ہے یا کہ ہے اعجاز

آپ قدرت نمائے 'معنی' ہیں،
فی الحقیقت خدائے معنی ہیں

آپ کے آگے کون مُنہ کھولے
کس کا مقدور ہے جو کچھ بولے

ہے یہ انداز آپ کا حصّہ
ہے یہ اعجاز آپ کا حصّہ

دل میں ہم خوب کر چکے ہیں غور
آپ ہی آپ ہیں، نہیں کچھ اور

آپ ایسے ہیں، آپ ویسے ہیں
ہم سمجھتے ہیں آپ جیسے ہیں

آپ کیا قدر اپنی پہچانیں
پوچھئے ہم سے، آپ کیا جانیں

آپ کا کام ہے ہوا بندی
آپ پر ختم ہے ادا بندی

ایسے شاعر ہوئے تھے کب پیدا
نہ ہوئے تھے، نہ ہوں گے اب پیدا

الغرض بے تکی اُڑاتے ہیں
بچھے جاتے ہیں، لوٹے جاتے ہیں

ان کی تعریف ہے وہ لاطائل
جس سے دُکھتا ہے دوسروں کا دل

مُنہ سے وہ شعر اُدھر نکالتے ہیں
یہ اِدھر ٹوپیاں اُچھالتے ہیں

جن کی تعریف کا تھا یہ مذکور
اپنے دل میں بہت ہی ہیں مسرور

اگر اس میں کسی کو غصّہ آئے
کچھ تعجب نہیں کہ لٹھ چل جائے

نہیں یہ بات کچھ تعجب کی،
بلکہ اکثر ہوا ہے ایسا بھی

پڑھتے ہیں لفظ رُک رُک کے
ہو رہے ہیں سلام جُھک جُھک کے

گو بظاہر ہیں انکسار بہت،
دل میں ہے جوشِ افتخار بہت

کس قدر تنتے ہیں یہ برستے ہیں
خود بھی تعریف اپنی کرتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہوتی ہے لفظ لفظ کی تشریح
ہوتی ہے بات بات کی تصریح
کیوں نہ ہوں اپنی مدح کے شائق
جانتے ہیں کہ ہم ہیں اِس لائق
کس قدر دور ہیں، معاذاللہ
کیسے مغرور ہیں، معاذاللہ
نکتہ فہم ایسے نکتہ داں ایسے
شاعر ایسے ہیں قدرداں ایسے
جھوٹی تعریف کی حقیقت کیا
جب حقیقت نہ ہو تو لذت کیا
اِس میں کیا حظ ہے یہ مزا کیا ہے
کوئی پوچھے انھیں ہوا کیا ہے
گو کہ میری مذمتیں ہوں گی
میں سمجھتا ہوں جو گتیں ہوں گی
صاف گوئی کی داد پاؤں گا
میں بھی اپنی مُراد پاؤں گا!
کیا غرض ہے جو میں کسی سے ڈروں
بات سچّی ہے کیوں نہ کہہ گذروں
مجھ کو بھاتی نہیں، لگی لپٹی!
بلکہ آتی نہیں، لگی لپٹی!
طرزِ اہلِ سخن سے ناخوش ہوں
روشِ اہلِ فن سے ناخوش ہوں

شاعری ہے اگر اسی کا نام،
دور سے ایسی شاعری کو سلام

اس نظم کی انصاف پسند احباب نے بڑی تعریف کی۔ ہر شعر پر اہلِ محفل تعریف کرتے جاتے تھے۔ منشی صاحب پر وجد کا عالم طاری تھا۔ اُمراؤ جان جھوم رہی تھیں اور میرا حال تھا وہ میرے دل سے کوئی پوچھے۔

منشی صاحب۔ ہاں جناب آغا صاحب اب آپ کچھ فرمایئے۔

آغا صاحب۔ بہت خوب، مطلع اوّل ملاحظہ فرمایئے:۔

کہیں سلمان ایسے ہوں تو کچھ دل کو مرے کل ہو
مٹر اُبلے ہوئے ہوں اور اِک ٹھرّے کی بوتل ہو

احباب۔ آغا صاحب! کیا مطلع فرمایا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آغا صاحب ۔ اے حضرت ابھی آپ نے سُنا ہی کیا ہے ۔ دوسرا مطلع سُنئے ۔

وہ مضموں ڈھونڈھ کر باندھوں کہ جو اشکل سے اشکل ہو
کہوں وہ مطلع ثانی کہ جو اوّل سے اوّل ہو

احباب ۔ بے شک اوّل سے اوّل ہے ۔

آغا صاحب ۔ لے اب شعر ملاحظہ ہوں :۔

اگر جاڑے میں تو مِل جائے تو کیا غم ہے جاڑے کا
تری زلفیں ہوں شانے پر دوشالہ ہو نہ کمبل ہو

(اس شعر کا رُخ نواب صاحب کی طرف تھا جو جالی کا کُرتہ ہلکا بادامی رنگا اور باریک ململ کا انگرکھا پہنے بند کھولے ہوئے بیٹھے تھے اور ایک نہایت نفیس پنکھیا ہاتھ میں تھی اُسے جھلتے جاتے تھے)۔

احباب ۔ تعریف ۔

آغا صاحب ۔ شعر ملاحظہ ہو :۔

کہو بے چارگی میں بھی طبیعت خوش رکھے مجنوں
کہ چہرے ناقہ لیلیٰ ہری جب دل کی کوپل ہو !

پنڈت صاحب ۔ سبحان اللہ اور تو اور، یہ بے چارگی سے کیا چارہ نکالا ہے ۔

احباب ۔ واللہ سمجھے بھی خوب ۔ سمجھ ہو تو ایسی ہو، نہیں تو نہ ہو ۔

آغا صاحب ۔ نہ ہو ۔ اچھا اب یہ شعر سُنئے :۔

کہو عشاق سے اپنے کہ ضبطِ گریہ فرمالیں
رُکے گا راستہ گھر کا اگر کوچہ میں دلدل ہو

شیخ صاحب ۔ اچھی کہی ۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رُسوا۔ (خاں صاحب سے) آپ کیوں سکوت میں ہیں، کوئی اعتراض نکالئے۔

آغا صاحب۔ ہاں جناب سکوت سخن شناس ٹھیک نہیں۔

خاں صاحب۔ آپ میری تعریف کو تحسین ناشناس نہ سمجھئے۔ اس لئے چپ ہوں۔

آغا صاحب۔ نہیں حضرت میری ایسی اُلٹی سمجھ نہیں ہے۔

احباب۔ اِس فقرہ پر لوٹ گئے۔

آغا صاحب۔ شعر سُنئے:۔

ہمیں رشک آئے اپنے سے۔ ہمیں سے غیر پیدا ہو
ہم ایسے دو نظر آئیں اگر معشوق احول ہو

احباب۔ آغا صاحب سبحان اللہ! کیا نازک خیالی ہے۔

آغا صاحب۔ ابھی کمسن ہیں، ان کو شوق ہے لنگڑ لڑانے کا
بکلا ڈور کا ہو، اک، نہ کنکیا نہ تکل ہو

(اس شعر کا رُخ بھی نواب صاحب کی طرف تھا اس لئے کہ آپ ہی کی سرکار سے کنکوے کی برات بڑی دھوم سے نکلی تھی)

آغا صاحب۔ کوئی اُن سے کہے جو شعر معنیٰ بند کہتے ہیں
کھُلے کیا رازِ سربستہ جو دروازہ مقفل ہو

رُسوا۔ آغا صاحب کیا کہنا۔ اُمراؤ جان! ذرا سُننا۔ کیا شعر کہا ہے۔

اُمراؤ۔ سبحان اللہ! میں پہلے ہی سمجھ گئی، جو چاہیں کہیں مالک ہیں۔

آغا صاحب۔ تو صاف کیوں نہیں کہتیں کہ دوزخ کا دربان ہوں۔ اچھا سُنئے۔
کسی صورت سے بہلا لیں گے اس معشوق کمسن کو
ڈبل پیسہ نہ ہو، ریوڑی نہ ہو تو گول گپّل ہو!

احباب۔ کیا کہنا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آغا صاحب :- کبھی گالی سُنا بیٹھے، کبھی جوتا لگا بیٹھے،
حکومت کا مزا آئے اگر معشوق ارذل ہو

خاں صاحب ۔ درست، مگر آپ کی شرافت سے بعید ہے ۔

آغا صاحب ۔ جناب شریف کون ہے اِس زمانے میں ۔
خُدا کے فضل سے اُترا تھا کیا ہی عرش سے جوڑا
نہ مجھ سا کوئی گُرگا ہو نہ تم سی کوئی شفتل ہو

نواب صاحب ۔ خوب، مگر روئے سخن کسی کی طرف ہے ۔؟

آغا صاحب ۔ یہ تو آپ ہی خوب سمجھ سکتے ہیں ۔ اس لئے کہ آپ محرم راز ہیں،
السر عند کرام الناس مکتوم ۔

خاں صاحب ۔ آپ جواب دیجئے ۔

آغا صاحب ۔ آپ کیا جواب دیں گے ۔ یہ شعر سُنئے :۔
ہم اُس نازک ادا کی شوخیوں پر جان دیتے ہیں
شتر کے جس میں غمزے ہوں، قرس کی جس میں چھلبل ہو

احباب ۔ واہ ری ہمت ۔

آغا صاحب ۔ اچھا نہ سہی، یہ سُنئے :۔
میں دل کو چیر ڈالوں گا جو تم پہلو سے اُٹھ جاؤ،
میں آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا جو تم آنکھوں سے اوجھل ہو

احباب ۔ خوب ۔

آغا صاحب ۔ تمھاری سادگی میں کچھ عجب عالم نکلتا ہے،
نہ چوٹی ہو نہ کنگھی ہو، نہ مسّی ہو نہ کاجل ہو

اُمراؤ ۔ اوئی، تو کیا دن رات سر جھاڑ مُنھ پھاڑ بیٹھا رہے ۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آغا صاحب ۔ سادگی کا یہی مزا ہے اور دوسرے خرچ کی بھی کفایت ہے۔

(اس مذاق میں لطف یہ ہے کہ اُمراؤ جان کسی قدر حسین مشہور تھیں)

سُنئے:۔

ٹکا جب ہم سے وہ مانگیں، انھیں چیکے سے ہم دیدیں
نہ بک بک ہو نہ جھک جھک ہو، نہ کِچ کِچ ہو نہ کِل کِل ہو

احباب ۔ کیا مصرع کہا ہے۔

خاں صاحب ۔ اوپر کا مصرع بھی خوب لگایا ہے۔ وہی ارذل کی رعایت چلی آتی ہے۔

(امراؤ جان، ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوئی جاتی تھیں۔)

آغا صاحب ۔ اچھا تو اب ایسے شعر نہ پڑھیں گے۔ ہمارا معشوق ذلیل ہوا جاتا ہے۔ نازک خیالی سُنئے:۔

تری نازک کمر کے باب میں چھلک لگا دیں گے
وہ کیا سمجھے یہ باریکی طبیعت جس کی گُتّھل ہو

خاں صاحب ۔ میں تسلیم کئے لیتا ہوں میری طبیعت ایسی ہی ہے جیسا آپ ارشاد فرماتے ہیں مگر برائے خدا اس چھلک کے معنی سمجھا دیجئے۔

آغا صاحب ۔ خیرا خاطر ہے سُن لیجئے۔ محاسب لوگ خانہ بُری کے بجائے ندارد کے (×) نشان بنا دیا کرتے ہیں۔ اس لئے اس سے یہ کمر معدوم ہے۔ ایک خط نے دوسرے کو بیچوں بیچ سے کاٹ دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ معشوق کی کمر کٹی ہوئی اور پھر جُڑی ہوئی بھی ہے۔

خاں صاحب ۔ یہ کیوں کر؟

آغا صاحب ۔ اس باریکی کو نہ پوچھئے۔ خیر حضرات واضح ہو کہ چھلک علم ریاضی میں علامت جمع کی ہے۔ لطف یہ ہے کہ علامت کی کوئی مقدار نہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہوتی یعطلب یہ نکلا کہ کمر باوجود معدوم ہونے کے جسم کے دونوں حصوں کو جوڑے ہوئے ہے۔

احباب ۔ حضرت بس نازک خیالی کی حد ہوگئی۔ جو کوئی اتنے علم جانتا ہو وہ آپ کے شعر سمجھے۔

آغا صاحب ۔ اسی لئے تو میں ایسے ویسے لوگوں کے سامنے پڑھتا نہیں۔ افسوس اُستاد مرحوم زندہ نہ ہوئے نہیں تو ان شعروں کی کچھ داد ملتی۔ اب سمجھنے والوں میں کون رہ گیا ہے۔ خیر اب مقطع سن لیجئے۔ طبیعت کو شگفت ہوگئی۔ کوئی قدر داں نہیں ہے۔

بس اے قزاق بس، طبع قیامت خیز کو روکو
غضب ہو جائے گا فوجِ مضامیں میں جو ہلچل ہو

احباب ۔ مقطع پھر عنایت ہو۔

(آغا صاحب نے دوبارہ پڑھا)

نواب صاحب ۔ کیا زبردست تخلص رکھا ہے۔

آغا صاحب ۔ معاف فرمائیے گا۔ ہے تو کچھ ایسا ہی۔ مگر کچھ نازیبا نہیں ہے۔ ایک تو خاندانی اعتبار سے اس لئے کہ فدوی کے آباؤ اجداد دشتِ قفچاق میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ دوسرے اس سبب سے کہ اُستاد مرحوم سارق تخلص فرماتے تھے اور یہ کچھ ایسا مناسب نہ تھا، اس لئے کہ (اُن کی روح شرمندہ نہ ہو) عمر بھر دوسرے شعرا کے مضمون چرا چرا کر شعر موزوں فرمایا کئے۔ سارا دیوان ملاحظہ کر لیجئے، شاید ہی کوئی شعر نیا ہو۔

جب اشہبِ خامہ کی لگام میرے دستِ اقتدار میں آئی تو میں نے

CC-0: In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سرقہ کو اپنی شان کے منافی سمجھ کر قزّاق تخلص رکھ لیا۔ کچھ نہ سہی اس میں ایک طرح کا بانکپن تو ہے۔ بندہ کا یہ دستور رہا ہے کہ شعرائے ماضی و حال کے مضامین زبردستی چھین کر اپنے قبضۂ تصرف میں کر لوں۔

نواب صاحب۔ بہت مبارک۔

مشاعرہ ختم ہونے کے بعد فالسہ کی برف جمائی گئی اُس کی دو دو قفلیاں احباب نے نوش کیں۔ سب اپنے اپنے مکان تشریف لے گئے۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا۔ منشی صاحب نے اور میں نے اور اُمراؤ جان نے کھانا کھایا۔

منشی صاحب۔ (اُمراؤ جان سے) ذرا اپنا مطلع تو وہ پڑھئے جو آپ نے پہلے پڑھا تھا۔

اُمراؤ۔ کس کو سنائیں حالِ دلِ زار اے ادا
آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

منشی صاحب۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے حالات بہت ہی دلچسپ ہوں گے جب سے آپ نے یہ مطلع پڑھا ہے مجھے یہی خیال ہے۔ اگر آپ اپنی سرگذشت بیان کریں تو لطف سے خالی نہ ہوگا۔ میں نے بھی منشی صاحب کے بیان کی تائید کی، مگر امراؤ جان پہلو بچاتی رہیں۔

ہمارے منشی صاحب کو ابتدائے سن ہی سے قصّہ کہانیوں کا شوق تھا۔ الف لیلیٰ و امیر حمزہ کی داستان کے علاوہ بوستانِ خیال کی کُل جلدیں نظر سے گذری ہوئی تھیں۔ کوئی ناول ایسا نہ تھا جو آپ نے نہ دیکھا ہو۔ مگر لکھنؤ میں چند روز رہنے کے بعد جب اہلِ زبان

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کی اصلی بول چال کی خوبی کھلی، اکثر ناول نویسوں کے بے تکے قصّے مصنوعی زبان اور تعصّب آمیز اور بیہودہ جوش دلانے والی تقریریں آپ کے دل سے اُتر گئی تھیں۔ لکھنؤ کے با مذاق لوگوں کی گفتگو بہت ہی پسند آتی تھی۔ اُمراؤ جان کے اس مطلع نے آپ کے دل میں وہ خیال پیدا کیا جس کا اشارہ اوپر کیا گیا ہے۔ القصّہ منشی صاحب کے شوق اور میری اشتعالک نے امراؤ جان کو مجبور کیا اور وہ اپنی سرگذشت کہنے پر مجبور ہو گئیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اُمراؤ جان کی تقریر بہت شستہ تھی اور کیوں نہ ہو اول تو خواندہ، دوسرے اعلیٰ درجے کی رنڈیوں میں پرورش پائی شہزادوں اور نواب زادوں کی صحبت اُٹھائی، محلات شاہی تک رسائی۔ جو کچھ انھوں نے دیکھا، اور لوگوں نے کانوں سے نہ سُنا ہوگا۔

اپنی سرگذشت وہ جس قدر کہتی جاتی تھیں میں اُن سے چھپا کے وہ لکھتا جاتا تھا۔ تمام ہونے کے بعد میں نے مسودہ دکھایا اس پر اُمراؤ جان بہت بگڑیں۔ مگر اب کیا ہوتا تھا۔ آخر کچھ سمجھ بوجھ کے چُپ ہو رہیں۔ خود پڑھا اور جہاں کچھ رہ گیا تھا اسے جا بجا درست کر دیا۔

میں امراؤ جان کو اس زمانے سے جانتا ہوں جب اُن کی نواب صاحب سے ملاقات تھی انھیں دنوں میری نشست بھی اکثر وہاں رہتی تھی۔ اِس سرگذشت میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس کے حرف بحرف صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ مگر یہ میری ذاتی رائے ہے ناظرین کو اختیار ہے جو چاہیں قیاس کریں۔

مرزا رُسوا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۱)

لُطف ہے کون سی کہانی میں
آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی !

سُنئے مرزا صاحب! آپ مجھ سے کیا چھیڑ چھیڑ کر پوچھتے ہیں، مجھ کم نصیب کی سرگذشت میں ایسا کیا مزا ہے جس کے آپ مشتاق ہیں. ایک ناشاد و نامراد، آوارہ وطن، خانماں برباد، ننگ خاندان، عارِ دو جہاں کے حالات سُن کے مجھے ہرگز اُمید نہیں کہ آپ خوش ہوں۔

اچھا سُنئے، اور اچھی طرح سُنئے :۔

باپ دادا کے نام لے کر اپنی سرخروئی جتانے سے فائدہ کیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے یاد بھی نہیں۔ ہاں اتنا جانتی ہوں کہ فیض آباد میں شہر کے کنارے کسی محلہ میں میرا گھر تھا۔ میرا مکان پختہ تھا، آس پاس کچھ کچے مکان۔ کچھ جھونپڑے، کچھ کھپریلیں۔ بنے والے بھی ایسے ہی ویسے لوگ ہوں گے۔ کچھ بہشتی، کچھ نائی، دھوبی، کہار۔ میرے مکان کے سوا ایک اونچا گھر اُس محلہ میں اور بھی تھا۔ اُس مکان کے مالک کا نام دلاور خاں تھا۔ میرے ابا بہو بیگم صاحبہ کے مقبرے پر نوکر تھے معلوم نہیں کا ہے میں (اسم تھا)۔ کیا تنخواہ تھی۔ اتنا یاد ہے کہ لوگ اُن کو جمعدار کہتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دن بھر میں اپنے بھائی کو کھلایا کرتی تھی اور وہ بھی مجھ سے اس قدر ہلا ہوا تھا کہ دَم بھر کے لئے نہ چھوڑتا تھا۔ ابا جب شام کو نوکری پر سے آتے تھے اُس وقت کی خوشی ہم بھائی بہنوں کی کچھ نہ پوچھئے۔ میں کمر سے لپٹ گئی۔ بھائی ابا ابا کر کے دوڑا، دامن میں چمٹ گیا۔ ابا کی باچھیں مارے خوشی کے کھلی جاتی ہیں مجھ کو چمکارا۔ پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ بھیا کو گود میں اٹھا لیا۔ پیار کرنے لگے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ کبھی خالی ہاتھ گھر نہ آتے تھے۔ کبھی دو کتارے ہاتھ میں ہیں کبھی بتاشوں یا تل کے لڈوؤں کا دونا ہاتھ میں ہے۔ اب اس کے حصے لگائے جا رہے ہیں۔ اُس وقت بھائی بہنوں میں کس مزے کی لڑائیاں ہوتی تھیں وہ کتارا چھینے لئے جاتا ہے۔ میں مٹھائی کا دونا ہتھیائے لیتی ہوں۔ اماں سامنے کھپریل میں بیٹھی کھانا پکا رہی ہیں۔ ابا ادھر آ کے بیٹھتے نہیں کہ اُدھر میرے تقاضے شروع ہو گئے۔" ابا اللہ گڑیاں نہیں لائے۔ دیکھو میرے پاؤں کی جوتی کیسی ٹوٹ گئی ہے۔ تم کو تو خیال ہی نہیں رہتا۔ لو ابھی تک میرا طوق سُنار کے یہاں سے بن کر نہیں آیا چھوٹی خالہ کے لڑکے کی دودھ بڑھائی ہے۔ بھئی میں جاؤں گی کیا پہن کر، چاہے کچھ ہو عید کے دن تو میں نیا جوڑا پہنوں گی۔ ہاں میں تو نیا جوڑا پہنوں گی۔ جب اماں کھانا کھا چکیں مجھے آواز دی۔ میں گئی، روٹی کی ٹوکری اور سالن کی پتیلی اُٹھا لائی دستر خوان بچھا۔ اماں نے کھانا نکالا۔ سب نے سر جوڑ کے کھانا کھایا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ ابا نے عشا کی نماز پڑھی، سو رہے۔ صبح کو تڑکے ابا اُٹھے، نماز پڑھی، اسی وقت میں کھڑک سے اُٹھ بیٹھی پھر فرمائشیں شروع ہوئیں۔

"میرے ابا آج نہ بھولنا گڑیاں ضرور لیتے آنا۔ ابا شام کو بہت سے امرود اور نارنگیاں لانا..."

ابا صبح کی نماز پڑھ کے وظیفہ پڑھتے ہوئے کوٹھے پر چڑھ جاتے تھے۔ کبوتروں کو کھول کے دانہ دیتے تھے۔ ایک دو ہوائیں اڑاتے تھے۔ اتنے میں اماں جھاڑو وغیرہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سے فراغت کر کے کھانا تیار کر لیتی تھیں۔ کیونکہ ابا پہر دن چڑھنے سے پہلے ہی نوکری پر چلے جاتے تھے۔ اماں سینا پرونا لے کر بیٹھ جاتی تھیں۔ میں بھیا کو لے کر کہیں محلے میں نکل گئی یا دروازہ پر املی کا درخت تھا وہاں چلی گئی۔ ہجولی لڑکے لڑکیاں جمع ہوئے، بھیا کو بٹھا دیا خود کھیل میں مصروف ہوگئی۔ ہائے کیا دن تھے کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ اچھے سے اچھا کھاتی تھی اور بہتر سے بہتر پہنتی تھی۔ کیونکہ ہجولی لڑکے لڑکیوں میں کوئی مجھے اپنے سے بہتر نظر نہ آتا تھا۔ دِل کھلا ہوا نہ تھا نگاہیں پھٹی ہوئی نہ تھیں۔ جہاں میں رہتی تھی وہاں کوئی مکان میرے مکان سے اونچا نہ تھا اور سب ایک کٹھریا کھپریل میں رہتے تھے۔ میرے مکان میں آمنے سامنے دو دالان تھے۔

صدر دالان کے سامنے کھپریل پڑی ہوئی دو کوٹھریاں تھیں۔ دالان کے سامنے ایک باورچی خانہ تھا دوسری طرف کوٹھے کا زینہ۔ کوٹھے پر ایک کھپریل دو کوٹھریاں کھانے پکانے کے برتن ضرورت سے زیادہ تھے۔ دو چار دریاں، چاندنیاں بھی تھیں۔ ایسی چیزیں محلے کے لوگ ہمارے گھر سے منگاتے تھے۔ ہمارے گھر میں بہشتی پانی بھرتا تھا محلہ کی عورتیں خود ہی کنویں سے پانی بھرلاتی تھیں۔ ہمارے ابا جب گھر سے وردی پہن کر نکلتے تھے تو لوگ اُنھیں جھک کر سلام کرتے تھے۔ میری اماں ڈولی میں بیٹھ کر مہمان جاتی تھیں۔ ہمسائیاں پاؤں پیدل ماری ماری پھرتی تھیں۔

صورت شکل میں بھی میں اپنی ہجولیوں سے اچھی تھی۔ اگرچہ درحقیقت خوبصورتوں میں میرا شمار نہ تھا۔ مگر ایسی بھی نہ تھی جیسی اب ہوں، کھلتی چمپئی رنگت تھی۔ ناک نقشہ بھی کچھ ایسا بُرا نہ تھا۔ ماتھا کسی قدر اونچا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بچپنے کے پھولے پھولے گال تھے۔ ناک اگرچہ ستواں نہ تھی مگر چپٹی ہوئی بھی نہ تھی۔ ڈیل ڈول بھی سن کے موافق اچھا تھا اگرچہ اب ویسی نہیں رہی، نازکوں میں نہ میرا شمار جب تھا نہ اب ہے۔ اِس قطع پر پاؤں میں لال گلبدن کا پائجامہ۔ چھوٹے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

چھوٹے چھوٹے پائچوں کا ٹول کا نیفہ۔ نینو کی کُرتی۔ تن زیب کی اوڑھنی۔ ہاتھوں میں چاندی کی تین تین چوڑیاں۔ گلے میں طوق، ناک میں سونے کی نتھنی اور سب لڑکیوں کی نتھنیاں چاندی کی تھیں۔ کان ابھی تازے تازے چھدے تھے ان میں صرف نیلے ڈورے پڑے تھے۔ سونے کی بالیاں بننے کو گئی تھیں۔

میری شادی میری پھوپی کے لڑکے کے ساتھ ٹھہری تھی، منگنی نو برس کے سن میں ہو گئی تھی۔ اب اُدھر سے شادی کا تقاضا تھا۔ میری پھوپی نواب گنج میں بیاہی ہوئی تھیں۔ پھوپا ہمارے زمیندار تھے۔ پھوپی کا گھر ہمارے گھر سے زیادہ بھرا پُرا تھا۔ منگنی ہونے سے پہلے میں کئی مرتبہ اپنی ماں کے ساتھ وہاں گئی تھی۔ وہاں کے کارخانے ہی اور تھے۔ مکان تو کچا تھا مگر بہت وسیع۔ دروازے پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ گائے۔ بیل۔ بھینسیں بندھتی تھیں۔ گھی، دودھ کی افراط تھی۔ اناج کی کثرت، بھٹوں کی فصل میں ٹوکروں بھٹے چلے آتے ہیں۔ کتاروں کی پھاندیاں کی پھاندیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اوکھ کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، کوئی کہاں تک کھائے۔

میں نے اپنے دولھا (یعنی جس کے ساتھ میری منگنی ٹھہری ہوئی تھی) کو بھی دیکھا تھا۔ بلکہ ساتھ کھیلی تھی۔ ابا پورا جہیز کا سامان کر چکے تھے۔ کچھ روپے کی اور فکر تھی۔ رجب کے مہینے میں شادی کا تقرر ہو گیا تھا۔

رات کو اباّ اماں میں جب میری شادی کی باتیں ہوتی تھیں میں چُپ چاپ پڑی سُنا کرتی تھی اور دل ہی دل میں خوش ہوتی تھی۔ واہ میرے دولھا کی صورت کریمن (ایک دُھنئے کی لڑکی کا نام تھا جو میری ہمسن تھی) کے دولھا سے اچھی ہے۔ وہ تو کالا کالا ہے میرا دولھا گورا گورا ہے۔ کریمن کے دولھا کے مُنھ پر کیا بڑی سی داڑھی ہے۔ میرے دولھا کے ابھی مونچھیں بھی نہیں نکلیں۔ کریمن کا دولھا ایک میلی سی دھوتی باندھے رہتا ہے۔ میرا دولھا عید کے روز کس ٹھاٹھ سے آیا تھا، سبز چھینٹ کا دگلا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

گلبدن کا پائجامہ، مصالحہ کی ٹوپی، مخملی جوتا۔ کریپ کا دوپٹہ ایک بھینٹیا باندھے ننگے پاؤں پھرتا ہے۔

غرض کہ میں اپنی حالت میں خوش تھی اور کیوں نہ خوش ہوتی کیونکہ اس سے بہتر اور کوئی حالت میرے خیال میں نہ آسکتی تھی، مجھے اپنی تمام آرزوئیں بہت ہی جلد پوری ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

مجھے یاد نہیں کہ جب تک میں اپنے ماں باپ کے گھر میں رہی مجھے کوئی صدمہ پہنچا ہو۔ مگر ایک مرتبہ جب میری انگلی کا ایک چھلا چندا ڈھیری کھیلنے میں جاتا رہا، سوا چاندی کا تھا شاید ایک آنے سے زیادہ کا نہ ہوگا۔ یہ اب کہتی ہوں اُس وقت اتنی تمیز کہاں تھی کہ قیمت کا اندازہ کرتی اس چھلے کے لئے اتنا روئی کہ آنکھیں سوج گئیں۔ امّاں سے دن بھر چھپایا۔ آخر جب رات کو انھوں نے انگلی خالی دیکھی۔ مجھ سے حال پوچھا۔ اب کہنا ہی پڑا۔ اماں نے ایک طمانچہ میرے منھ پر مارا۔ میں چیخیں مار مار کر رونے لگی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اتنے میں ابّا آگئے، انھوں نے مجھے چمکارا امّاں پر خفا ہوئے اس وقت مجھے تسکین ہوئی۔

بے شک ابّا مجھے امّاں سے زیادہ چاہتے تھے۔ ابّا نے کبھی پھول کی چھڑی نہیں چھوائی۔ امّاں ذرا ذرا سی بات پر مار بیٹھتی تھیں۔ امّاں چھوٹے بھیا کو بہت چاہتی تھیں۔ چھوٹے بھیا کے لئے میں نے بہت مار کھائی مگر پھر بھی مجھے اُس سے بے انتہا محبت تھی۔ اماں کی ضد سے تو کبھی دو دو پہر میں نے گود میں نہیں لیا مگر جب انکی آنکھ اوجھل ہوئی فوراً گلے سے لگا لیا۔ گود میں اٹھا لیا، پیار کر لیا، جب دیکھا اماں آتی ہیں جلدی سے گودی سے اُتار دیا اب وہ رونے لگا، اس پر اماں سمجھتی تھیں کہ میں نے رُلادیا، لگیں گھڑکیاں دینے۔

یہ سب کچھ تھا لیکن جہاں میری انگلی دُکھی اور ماں بے قرار ہوگئیں۔ کھانے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پہنے کا ہوش نہیں، راتوں کو نیند حرام۔ کسی سے دوا پوچھتی ہیں، اور کسی سے تعویذ منگاتی ہیں۔
میرے جہیز کے لئے اپنے ہاتھ گلے کا گہنا اُتار کے ابا کے حوالے کیا کہ اس میں
تھوڑی چاندی ملوا کر پھر سے بنوا دو۔ دو ایک عدد جو نئے بنے ہوئے ہیں اُن کو اُجلوا دو۔
گھر بھر کے برتنوں میں سے دو چار رکھ لئے باقی نکال کر الگ کر دئے کہ ان پر قلعی کرا دو۔
بلکہ ابا نے کہا بھی کہ اپنے آئندہ کا خیال رکھو۔ اماں نے کہا اوہ جی ہو گا۔ تمھاری
بہن زمیندار کی بیوی ہے وہ کبھی تو جانیں کہ بھائی نے لڑکی کو کچھ دیا۔ لاکھ تمھاری بہن
ہیں سسرال کا نام بُرا ہوتا ہے۔ میری لڑکی ننگی بوچی جائے گی تو لوگ طعنے دیں گے۔

مرزا رسوا صاحب! میں نے اپنے ماں باپ کے گھر اور بچپن کی حالت
کا پورا نقشہ آپ کے سامنے کھینچ دیا ہے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر میں اُس
عالم میں رہتی تو خوش رہتی یا ناخوش؟ اسے آپ خود قیاس کر سکتے ہیں۔ میری
ناقص رائے میں تو یہ آتا ہے کہ میں اسی حالت میں اچھی رہتی۔

ابتدا آوارگی کی جوشِ وحشت کا سبب
ہم تو سمجھے ہیں مگر ناصح کو سمجھائیں گے کیا

میں نے اکثر لوگوں کو کہتے سُنا ہے کہ جو ذات کی رنڈیاں ہیں ان کا تو ذکر ہی
کیا جو کچھ نہ کریں کم ہے کیونکہ وہ ایسے گھر اور ایسی حالت میں پرورش پاتی ہیں
جہاں سوائے بدکاری کے اور کسی چیز کا مذکور ہی نہیں۔ ماں بہن جس کو دیکھو اسی
حالت میں ہے۔ مگر یہ ماں باپ کی بیٹیاں جو اپنے گھروں سے نکل کے خراب
ہو جاتی ہیں ان کو وہاں مارے جہاں پانی نہ ملے۔

میرا حال جتنا میں بیان کر چکی ہوں اتنا ہی کہہ کے چھوڑ دوں اور اس کے
بعد یہ کہہ دوں کہ بس........ اس کے بعد میں آوارہ ہو گئی۔ اس سے
یہ خیال پیدا ہو گا کہ کمبخت اودماتی تھی شادی ہونے میں دیر ہوئی کسی سے آنکھ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لگا کے نکل گئی۔ اُس نے چھوڑ دیا۔ کسی اور سے آشنائی کی اس سے بھی نہ بنی، آخر رفتہ رفتہ یہی پیشہ ہوگیا۔ واقعی اکثر ایسا ہوتا ہے میں نے اپنی زندگی میں بہت سی بہو بیٹیوں کو خراب ہوتے دیکھا اور سُنا ہے۔ اس کے سبب بھی کئی ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جوان ہوگئیں شادی نہیں کی، دوسرے یہ کہ شادی اپنی پسند سے نہیں ہوئی ماں باپ نے جہاں پایا جھونک دیا۔ نہ سن کا لحاظ کیا نہ صورت شکل دیکھی نہ مزاج کا حال دریافت کیا۔ میاں سے نہ بنی نکل کھڑی ہوئیں، یا جوانی میں سر پر آسمان ٹوٹا رانڈ ہوگئیں صبر نہ ہوسکا دوسرا کرلیا۔ یا بد صحبت ملی آوارہ ہوگئیں۔ مگر مجھ بدنصیب ناشدنی کو بخت و اتفاق نے مجبور کرکے ایسے جنگل میں چھوڑا جہاں سوائے گمراہی کے کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

دلاور خاں جس کا مکان ہمارے مکان سے تھوڑی دور پر تھا۔ موا ڈکیتوں سے ملا ہوا تھا۔ لکھنؤ میں برسوں قید رہا۔ اُسی زمانہ میں نہ معلوم کس کی سفارش سے چھوٹ آیا تھا۔ ابا سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جب فیض آباد سے گرفتار ہوا تو محلہ سے اس کے چال چلن کی تحقیقات کے لیے لوگ طلب ہوئے اُن میں ابا بھی تھے۔ آہ بے چارے یوں بھی دل کے اور زبان کے سچے تھے اُس پر طرہ یہ کہ رانی والے صاحب نے اُن کے ہاتھ میں قرآن دے کر پوچھا "دِل جمعدار! تم سچ سچ کہو یہ کیسا آدمی ہے؟" ابا نے صاف صاف جو اس کا حال تھا کہہ دیا۔ انھیں کی گواہی پہ دلاور خاں قید ہوگیا۔ یہ حال میں نے اپنی ماں سے سُنا تھا وہی کینہ اس کے دل میں چلا آتا تھا۔ اب کی جب قید سے چھوٹ کر آیا تو اس نے ابا کی ضد پر کبوتر پالے۔ ایک دن اس نے ابا کا کبوتر مارا۔ لینے کو گئے نہ دیا۔ ابا چار آنے دیتے تھے، وہ آٹھ آنے مانگتا تھا۔ ابا نوکری پر چلے گئے۔ جھٹ پٹے وقت نہ جانے میں کیوں نکلی تھی، دیکھتی کیا ہوں املی کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔ کہنے لگا "چلو بیٹا تمھارے ابا پیسے دے گئے تھے، کبوتر لے لو" میں اس کے دم میں آگئی۔ ساتھ چلی گئی۔ جا کے جو دیکھتی ہوں گھر میں چڑیا نہیں، اکیلا مکان

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پڑا۔ جب ادھر میں نے گھر میں قدم رکھا اُدھر اُس نے اندر سے کنڈی بند کر لی۔ چاہتی ہوں کہ چیخوں، اُس نے مُنہ میں گودڑ ٹھونس دیا۔ میرے دونوں ہاتھ رومال سے کس دئے۔ اُس مکان کا ایک دروازہ دوسری طرف تھا۔ مجھے زمین پر بٹھا کے آپ گیا۔ وہ دروازہ کھولا اور پیر بخش کہہ کے آواز دی۔ پیر بخش اندر آیا۔ دونوں نے مل کے مجھے ایک بیل گاڑی پر سوار کیا اور گاڑی چل نکلی۔ میں دم بخود رہ گئی۔ تلے کی سانس تلے اوپر کی اوپر۔ کروں کیا۔ کوئی بس نہیں۔ موذی کے چنگل میں ہوں۔ دلاور خاں بہلی کے اندر مجھے گھٹنوں میں دبائے بیٹھا ہے۔ ہاتھ میں چھری ہے۔ مُوئے کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ پیر بخش گاڑی ہانک رہا تھا۔ بیل ہیں کہ اُڑتے چلے جا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں شام ہو گئی۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ جاڑے کے دن تھے۔ سناٹے کی ہوا چل رہی تھی، دم نکلا جاتا تھا۔ آنکھوں سے باراں جاری تھا۔ سردی کے مارے میری بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ دل میں یہ خیال آتا ہے ہائے کس آفت میں پھنسی۔ ابا نوکری پر سے آئے ہوں گے مجھے ڈھونڈتے ہوں گے۔ اماں بیٹھ رہی ہوں گی۔ چھوٹا بھائی کھیل رہا ہوگا، اسے کیا معلوم کس آفت میں ہے۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، مکان، دالان، انگنائی، باورچی خانہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ یہ سب خیالات ایک طرف تھے اور جان کا خوف ایک طرف۔ دلاور خاں رہ رہ کے چھری دکھاتا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ چھری کوئی دم میں میرے کلیجے کے پار ہو گی۔ گودڑ اب میرے مُنہ میں نہ تھا۔ مگر مارے ڈر کے اب میرے مُنہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔ ادھر میرا تو یہ حال تھا اُدھر دلاور خاں اور پیر بخش میں ہنس ہنس کے باتیں ہو رہی تھیں۔ میرے ماں باپ پر اور مجھ پر بات بات پر گالیاں پڑتی جاتی تھیں۔

دلاور خاں: "دیکھا بھائی پیر بخش! سپاہی کا پوت بارہ برس کے بعد اپنا بدلہ لیتا ہے۔ اب کیسا ... تلملاتا پھرتا ہوگا۔"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پیر بخش :۔ "بھئی تم نے بے شک اس مثل کو اصل کر دکھایا۔ بارہ برس تو ہوئے ہوں گے تمھیں قید ہوئے۔؟"

دلاور خاں :۔ "پورے بارہ ہوئے۔ بھائی لکھنؤ میں کیا کیا مصیبتیں اُٹھائی ہیں۔ خیر... وہ بھی تو کوئی دن یاد کرے گا۔ یہ تو میرا پہلا دار ہے۔ میں تو اس کو جان سے مار دوں گا۔"

پیر بخش :۔ "کیا یہ بھی ارادہ ہے۔؟"

دلاور خاں :۔ "تم سمجھتے کیا ہو۔؟ جان سے نہ مارا ہو تو پٹھان کا تخم نہیں۔"

پیر بخش :۔ "بھئی تم قول کے سچے ہو، جو کہو گے کر دکھاؤ گے۔"

دلاور خاں :۔ "دیکھنا۔!"

پیر بخش :۔ "اور اسے کیا کرو گے ؟"

دلاور خاں :۔ کریں گے کیا۔ یہیں کہیں مار کے نالے میں توپ دو۔ راتوں رات گھر چلے چلو۔"

یہ بات سن کر مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو تھم گئے۔ دل میں ایک دھچکا لگا۔ منکا ڈھل گیا۔ ہاتھ پاؤں ڈال دیے۔ یہ حال دیکھ کے بھی موئے کٹڑ کو ترس نہ آیا۔ اور ایک گھونسہ زور سے میرے کلیجے پر مارا کہ میں بلبلا گئی۔ قریب تھا کہ گر پڑوں۔

پیر بخش :۔ "اسے تو مار ڈالو گے اور ہمارا روپیہ۔؟"

دلاور خاں :۔ "اگلے گلے پانی۔

پیر بخش :۔ "کہاں سے دو گے ؟ ہم تو کچھ اور ہی سمجھے تھے۔

دلاور خاں :۔ "گھر چلو، کہیں سے نہ ہو سکا تو کبوتر بیچ کر دوں گا۔!

پیر بخش :۔ "تم بے عقل ہو۔ کبوتر کیوں بیچو۔ ہم نہ ایک بات بتائیں۔"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دلاور خاں :۔ "کہو۔!"

پیر بخش :۔ "اماں لکھنؤ چل کر اس چھوکری کے کوڑے کرو۔

جب سے اپنے مرنے کا یقین ہو گیا تھا مجھے اِن دونوں کی باتیں کانوں سے اچھی طرح نہ سُنائی دیتی تھیں، یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی خواب میں باتیں کر رہا ہے۔

پیر بخش کی باتیں سُن کر میرے دل کو پھر اپنی زندگی کا کچھ آسرا بندھا دل ہی دل میں پیر بخش کو دُعائیں دینے لگی۔ مگر اب دل میں یہ انتظار ہے کہ دیکھوں یہ موذی کیا کہتا ہے۔

دلاور خاں :۔ "اچھا دیکھا جائے گا ابھی چلے چلو"

پیر بخش :۔ یہاں ذرا ٹھہر نہ جائیں۔ وہ سامنے درخت کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ تھوڑی آگ لے آئیں تو حقّہ بھر لیں۔

پیر بخش تو آگ لینے گیا اب مجھے یہ خیال ہوا کہ پیر بخش کے آتے آتے یہ میرا کام تمام نہ کر دے۔ جان کا خوف بُرا ہوتا ہے۔ اک بارگی زور سے چیخ ماری۔ چیخ کا مارنا تھا کہ دلاور خاں نے دو تین طمانچے میرے مُنھ پر کس کر لگائے "حرامزادی چُپ نہیں رہتی ابھی چھری بھونک دوں گا.... فیل کرتی ہے...."

پیر بخش (ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہو گا) "نہیں بھئی نہیں ایسا کام نہ کرنا تمہیں ہمارے سر کی قسم۔ ارماں ہے تو ہمیں آ لینے دو"

دلاور خاں :۔ "اچھا جاؤ، آگ تو لے آؤ"

پیر بخش گیا اور تھوڑی دیر بعد آگ لے کے آیا۔ حقّہ بھرا دلاور خاں کو دیا۔

دلاور خاں :۔ (ایک کش حقّہ کا لگا کے) تو یہ کتنے تک بک جائے گی ؟ اور بیچے گا کون ؟ کہیں ایسا نہ ہو پکڑے جائیں، تو اور مشکل ہو"

پیر بخش :۔ "اس کا ہمارا ذمہ۔ ہم تو بیچ دیں گے۔ ارے میاں تمہاری باتیں،

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پکڑے گا کون؟ لکھنؤ میں ایسے معاملے دن رات ہوا کرتے ہیں؟ ہمارے سالے کو جانتے ہو۔؟

دلاور خاں :۔ "کریم"

پیر بخش :۔ "ہاں، اس کی روٹی اسی پر ہے۔ بیسیوں لڑکے لڑکیاں پکڑے گیا۔ لکھنؤ کے دام کھرے کر لئے"

دلاور خاں :۔ "آج کل کہاں ہے؟"

پیر بخش :۔ "ہے کہاں، لکھنؤ میں گومتی کے اُس پار اس کی سسرال ہے وہیں ہوگا"

دلاور خاں :۔ "بھلا لڑکا لڑکی کتنے میں بکتے ہیں؟"

پیر بخش :۔ جیسی صورت ہوئی"

دلاور خاں :۔ بھلا یہ کتنے کو بک جائے گی۔

پیر بخش :۔ "سو ڈیڑھ سو جیسی تمھاری تقدیر ہوئی"

دلاور خاں :۔ "سو ڈیڑھ سو، بھائی کی باتیں، اس کی صورت ہی کیا ہے؟ سو بھی بہت ہے"

پیر بخش :۔ "اچھا اس سے کیا۔ لے تو چلو۔ مار ڈالنے سے کیا فائدہ ہوگا۔؟"

اس کے بعد پیر بخش کے کان میں دلاور خاں نے کچھ جھک کے کہا جس کو میں نے نہیں سنا۔ پیر بخش نے جواب دیا: "وہ تو ہم سمجھے ہی تھے تم کیا ایسے بیوقوف ہو" ساری رات بھر گاڑی چلا کی۔ میری جان سانسے میں تھی۔ موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔ طاقت سلب ہو گئی تھی۔ بدن سُن ہو گیا تھا۔ آپ نے سنا ہو گا کہ نیند سولی پر بھی آتی ہے۔ تھوڑی دیر میں آنکھ لگ گئی۔ ترس خدا کر کے پیر بخش نے بیلوں کا کمبل اُڑھا دیا۔ رات کو کئی مرتبہ چونک چونک پڑی۔ آنکھ کھل جاتی مگر ڈر

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کے مارے چپکی پڑی تھی، آخر ایک مرتبہ ڈرتے ڈرتے مُنہ پر سے کملی سرکا کے جو دیکھا تو میں گاڑی میں اکیلی ہوں۔ پردہ سے جھانک کر دیکھتی ہوں تو سامنے کچھ کچّے مکان ہیں۔ ایک بنئے کی دوکان ہے۔ دلاور خاں اور پیر بخش کچھ خرید رہے ہیں۔ بیل سامنے برگد کے نیچے بھوسہ کھا رہے ہیں دو تین گنوار الاؤ کے پاس بیٹھے تاپ رہے ہیں۔ ایک چلم پی رہا ہے اتنی دیر میں پیر بخش نے گاڑی کے پاس آکے تھوڑے سے بھُنے ہوئے چنے دئے۔ میں رات بھر کی بھوکی تھی کھانے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لوٹا پانی لاکر دیا۔ میں نے تھوڑا سا پیا پھر چپکی ہو کر پڑ رہی۔

بڑی دیر تک یہاں گاڑی رُکی کھڑی رہی۔ پھر پیر بخش نے بیل جوتے، دلاور خاں حقّہ بھر کے میرے پاس آبیٹھا، گاڑی روانہ ہوئی۔ آج دن کو مجھ پر زیادہ سختی نہیں ہوئی نہ دلاور خاں کی چھُری نکلی نہ مجھ پر گھونسے پڑے نہ گھُڑکیاں۔ دلاور خاں اور پیر بخش دونوں جگہ جگہ پر حقّہ بھر بھر کے پیتے تھے۔ باتیں ہوتی جاتی تھیں۔ جب باتیں کرتے کرتے تھک گئے کچھ گانے لگے۔ ایک گاتا ہے دوسرا چُپ سُن رہا ہے۔ سُن کیا رہا ہے، سوچ رہا ہے کہ اب کیا بات نکالوں۔ پھر کوئی بات نکل آئی، اس گفتگو میں ایسا بھی ہوا کہ آپس میں گالی گلوج ہونے لگی، آستینیں چڑھ گئیں۔ کمریں کسی جانے لگیں۔ ایک گاڑی پرے کود پڑتا ہے۔ دوسرا وہیں گلا گھونٹنے کو تیار ہے۔ پھر کسی بات پر دونوں ڈھیلے پڑ گئے، بات رفت گذشت ہوئی۔ پھر ملاپ ہوا دوستی کی باتیں ہونے لگیں۔ گویا کبھی لڑے ہی نہ تھے۔

ایک :- "ہمارے تمہارے درمیان لڑائی کی ہی کیا بات تھی"

دوسرا :- "بات ہی کیا تھی"

پہلا :- "اچھا تو پھر اس بات کو جانے دو"

دوسرا :- "جانے دو"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۲)

دے پھڑکنے کی اجازت صیاد
شبِ اوّل ہے گرفتاری کی

گرفتاری کی شبِ اوّل کا حال تو آپ سُن چکے۔ ہائے وہ بے بسی، مرتے دم تک نہ بھولوں گی۔ مجھے خود حیرت ہے کہ میں زندہ کیوں کر بچی۔ ہے ہے! کیا سخت جان تھی، کہ دم نہ نکلا۔ دلاور خاں بندے! دُنیا میں خیر اپنی سزا کو پہنچا مگر اس سے کیا میرے دل کو تسکین ہوئی۔ موئے کی بوٹیاں کاٹ کے چیل اور کوؤں کو کھلاتی تو بھی مجھے آہ نہ آتی۔ یقین ہے کہ قبر میں تجھ پر صبح و شام جہنم کے کندے پڑتے ہوں گے اور قیامت کے دن خُدا چاہے تو اس سے بدتر درجہ ہوگا۔

ہائے میرے ماں باپ کا کیا حال ہوا ہوگا، کیسے تیری جان کو کلپتے ہوں گے۔

بس مرزا صاحب! اتنی آج کہی باقی کل کہوں گی۔ اب میرا دل ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ خوب چیخیں مار کر رو دُوں ....

آپ میری آوارگی کی سرگذشت سُن کر کیا کیجئے گا۔ بہتر ہے کہ یہیں تک رہنے دیجئے۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ کاش مجھ کو دلاور خاں مار ڈالتا تو اچھا تھا۔ مٹھی بھر خاک سے میری آبرو ڈھک جاتی۔ میرے ماں باپ کی عزت کو بٹہ نہ لگتا۔ یہ دین و دُنیا کی رُسوائی تو نہ ہوتی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہاں میں نے ایک بار ہیں اپنی ماں کو پھر دیکھا تھا۔ کب اس کو دیکھا تھا۔ اس کو ایک زمانہ ہوگیا۔ اب خُدا جانے جیتی ہیں یا مرگئیں۔ سُنا ہے کہ چھوٹے بھائی کے ایک لڑکا ہے ماشاءاللہ چودہ پندرہ برس کا۔ دو لڑکیاں ہیں۔ میرا بے اختیار جی چاہتا ہے سب کو دیکھوں۔ کچھ ایسا دور بھی نہیں۔ موئے ایک روپئے میں تو آدمی فیض آباد پہنچ سکتا ہے۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ اس زمانہ میں جب ریل نہ تھی فیض آباد سے لکھنؤ چار دن کا راستہ تھا۔ مگر دلاور خاں اس خوف سے کہ میرا پیچھا نہ کرے نہ معلوم کن بیہڑ راستوں سے لکھنؤ لایا کہ آٹھ دن میں لکھنؤ پہنچی۔ مجھ نگوڑی کو کیا خبر تھی کہ لکھنؤ کہاں ہے۔ مگر دلاور خاں اور پیر بخش کی باتوں سے میں اتنا سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ مجھے وہیں لئے جا رہے ہیں۔ لکھنؤ کا میں نام گھر میں سُنا کرتی تھی، کیونکہ میرے نانا یہیں کسی محل کی ڈیوڑھی پر سپاہیوں میں ملازم تھے۔ گھر میں اُن کا ذکر ہوتا ہی رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ فیض آباد بھی گئے تھے۔ میرے لئے بہت سی مٹھائیاں اور کھلونے لائے تھے۔ میں انھیں اچھی طرح پہچانتی تھی۔

لکھنؤ میں گومتی کے اس پار کریم کی سسرال میں مجھے لاکر اُتارا۔ چھوٹا سا کچا مکان۔ کریم کی ساس سوئی مردے شوئی سی معلوم ہوتی تھی۔ مجھے گھر میں لے گئی۔ ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ صبح ہوتے لکھنؤ پہنچی تھی، دوپہر تک بند رہی۔ پھر کوٹھری کا دروازہ کھلا، ایک جوان سی عورت (کریم کی جورو) تین چپاتیاں اور چمچہ بھر ماش کی دال اور ایک بدھنی پانی کی میرے آگے رکھ کے چلی گئی، مجھے اس وقت وہ بھی نعمت ہوگئی۔ آٹھ دن ہوگئے تھے، گھر کا پکا کھانا نصیب نہ ہوا تھا۔ راستے میں چنے اور ستوؤں کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملی تھی۔ کوئی آدھی بدھنی بھر پانی پی گئی۔ اس کے بعد زمین پر پاؤں پھیلا کر سوگئی۔ خُدا جانے کتنی دیر سوئی۔ کیونکہ اس اندھیری کوٹھری میں دن رات کی تمیز نہ ہوسکتی تھی۔ اس درمیان میں کئی مرتبہ آنکھ کھلی۔ چاروں طرف اندھیرا، کوئی آس نہ پاس، پھر اوڑھنی سے مُنہ ڈھانپ کے پڑ رہی۔ پھر نیند آگئی۔ تیسری چوتھی مرتبہ جو آنکھ کھلی تو پھر نیند نہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پڑی جاگتی رہی۔ اتنے میں کریم کی ساس ڈائن کی شکل بکتی بڑبڑاتی اندر آئی۔ میں اُٹھ بیٹھی۔

"لونڈیا کتنی سوتی ہے۔ رات کو چیختے چیختے گلا پڑ گیا۔ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کے اُٹھایا سانس ہی نہ لی۔ میں تو سمجھی تھی سانپ سونگھ گیا۔ اے لو وہ تو پھر اُٹھ بیٹھی۔"

میں چپ سُنا کی جب خوب بک چکی تو پوچھنے لگی.....

"پیالہ کہاں ہے۔؟" میں نے اُٹھا دیا وہ باہر لے کر نکلی۔ کوٹھری کا دروازہ بند ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کریم کی جورو آئی اُسی کوٹھری میں ایک کھڑکی لگی تھی اُسے کھول دیا، مجھ کو باہر نکالا، ایک ٹوٹا سا کھنڈر پڑا تھا یہاں آنکے آسمان دیکھنا نصیب ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اسی کال کوٹھری میں بند کر دی گئی۔ آج ارہر کی دال اور جوار کا دلیہ کھانے کو ملا۔

اسی طرح دو دن گذرے۔ تیسرے دن ایک اور لڑکی مجھ سے سن میں دو ایک برس بڑی اسی کوٹھری میں لا کے بند کی گئی۔ کریم نہ جانے پھسلا کے لے آیا تھا۔ بیچاری کیسی چھکو پھکو رو رہی تھی۔ مجھ کو اس کا آنا غنیمت ہوگیا۔ جب وہ رو دھو چکی تو چپکے چپکے باتیں ہوا کیں۔

کسی بنئے کی لڑکی تھی۔ رام دئی نام تھا۔ سیتاپور کے پاس کوئی گاؤں تھا وہاں کی رہنے والی تھی۔ اندھیرے میں تو اس کی شکل دکھائی نہ دی۔ حسب معمول دوسرے دن کھڑکی کھولی گئی تو اس نے مجھے دیکھا، میں نے اُسے دیکھا۔ گہری گوری تھی، بہت خوبصورت ناک نقشہ، ڈیل ذرا چھریرا تھا۔ چوتھے دن اس کال کوٹھری سے اس کی رہائی ہوئی۔ میں وہیں رہی۔ پھر تنہائی نصیب ہوئی۔ دو پہر دن اکیلی وہیں رہی۔ تیسرے دن رات کے وقت دلاور خاں اور پیر بخش نے مجھے آکر نکالا۔ اپنے ساتھ لے کر چلے۔ چاندنی رات تھی۔ پہلے ایک میدان پھر ایک بازار میں سے ہو کر گذری پھر ایک پُل پر آئے۔ دریا لہریں مار رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میں کانپی جا رہی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تھوڑی دیر کے بعد ایک بازار پھر ملا۔ اس سے نکل کر ایک تنگ گلی میں بہت دور تک چلنا پڑا، پاؤں تھک گئے۔ اس کے بعد ایک اور بازار میں آئے۔ یہاں بڑی بھیڑ تھی راستہ بڑی مشکل سے ملتا تھا۔ اب ایک مکان کے دروازہ پر پہنچی۔

مرزا رسوا صاحب! آپ سمجھے یہ کون سا بازار تھا؟ یہ وہ بازار تھا جہاں میری عصمت فروشی کی دوکان تھی، یعنی چوک۔ اور یہ وہ مکان تھا، جہاں سے ذلت، عزت، بدنامی، نیک نامی، زرد روئی، سُرخ روئی جو کچھ دُنیا میں ملنا تھا ملا۔ یعنی خانم جان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تھوڑی دور پر زینہ تھا۔ زینہ سے چڑھ کے اوپر گئی۔ مکان کے صحن میں سے ہو کے صدر دالان کے داہنی طرف ایک دالان وسیع میں خانم جان کے پاس گئی۔

خانم جان کو آپ نے دیکھا ہوگا۔ اس زمانہ میں ان کا سن قریب پچاس کے تھا۔ کیا شاندار بڑھیا تھی۔ رنگ تو سانولا تھا مگر ایسی بھاری بھرکم جامہ زیب عورت نہ دیکھی نہ سُنی۔ بالوں کے آگے کی لٹیں بالکل سفید تھیں۔ ان کے چہرے پر بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ ململ کا دوپٹہ سفید، کیسا باریک چُنا ہوا کہ شاید و باید۔ اودے مشروع کا پائجامہ، بڑے بڑے پائنچے۔ ہاتھوں میں موٹے موٹے سونے کے کڑے، کلائیوں میں پھنسے ہوئے۔ کانوں میں دو دو انتیاں لاکھ لاکھ بناؤ دیتی تھیں۔ بسم اللہ کی رنگت، ناک نقشہ ہو بہو اُنھیں کا سا تھا۔ مگر وہ نمک کہاں اِس دن کی صورت خانم کی آج تک مجھے یاد ہے۔ پلنگڑی سے لگی ہوئی قالین پر بیٹھی ہیں۔

کنول روشن ہے۔ بڑا سا نقشیں پاندان آگے کھلا رکھا ہے، پیچوان پی رہی ہیں۔ سامنے ایک سانولے سی لڑکی (بسم اللہ جان) ناچ رہی ہے۔ ہمارے جانے کے بعد ناچ موقوف ہوا۔ سب لوگ کمرے سے چلے گئے۔ ساندہ تو پہلے ہی سے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہو چکا تھا۔

خانم جان :۔ "یہی چھوکری ہے؟"

دلاور خاں :۔ "جی ہاں"!

مجھے پاس بلایا۔ چمکار کے بٹھایا ماتھا اٹھا کے صورت دیکھی۔

خانم جان :۔ "اچھا! پھر جو ہم نے کہہ دیا ہے وہ موجود ہے، اور دوسری چھوکری کیا ہوئی؟"

پیر بخش :۔ "اس کا تو معاملہ ہو گیا"

خانم :۔ "کتنے پر؟"

پیر بخش :۔ "دو سو پر"

خانم :۔ "اچھا، خیر۔ کہاں پر؟"

پیر بخش :۔ "ایک بیگم صاحبہ نے اپنے صاحبزادے کے واسطے مول لیا ہے"

خانم :۔ "صورت شکل کی اچھی ہے۔ اس قدر ہم بھی دے نکلتے، مگر تم نے جلدی کی"

پیر بخش :۔ "میں کیا کروں میں نے تو بہت سمجھایا، میرے سالے نے نہ مانا"

دلاور خاں :۔ "صورت تو اس کی بھی اچھی ہے۔ آگے آپ کی پسند"

خانم :۔ "خیر آدمی کا بچہ ہے"

دلاور خاں :۔ "اچھا جو کچھ ہے آپ کے سامنے حاضر ہے"

خانم :۔ "اچھا تمہاری ہی ضد سہی"

یہ کہہ کے حسینی کو آواز دی۔ حسینی گدبدی سی سانولی ادھیڑ عورت سامنے آ کھڑی ہوئی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خانم :۔ "حسینی۔!"

حسینی :۔ "خانم صاحب۔"

خانم :۔ "صندوقچہ لاؤ۔"

حسینی گئی صندوقچہ لے آئی۔ خانم صاحبہ نے صندوقچہ کھولا۔ بہت سے روپئے دلاور خاں کے سامنے رکھ دئے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ سوا سو روپئے دئے تھے۔ ان میں سے کچھ پیر بخش نے گن کے اپنے رومال میں باندھے (گمنا ہے کہ پچاس روپئے) باقی دلاور خاں نے اپنے ڈب میں رکھے۔ دونوں سلام کر کے رخصت ہوئے اب کمرے میں خانم صاحب ہیں اور بوا حسینی اور میں ہوں۔

خانم صاحب :۔ (حسینی سے) "حسینی! یہ چھوکری اتنے داموں کی کچھ مہنگی تو نہیں معلوم ہوتی۔"

حسینی :۔ "مہنگی! میں کہتی ہوں سستی۔"

خانم :۔ "سستی بھی نہیں ہے۔ صورت تو بھولی بھولی ہے۔ خدا جانے کس کی لڑکی ہے۔ ہائے۔ ماں باپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ خدا جانے موئے کہاں سے پکڑ لاتے ہیں۔ ذرا بھی خوفِ خدا نہیں۔ بوا حسینی ہم لوگ بالکل بے قصور ہیں، عذاب ثواب انھیں موؤں کی گردن پر ہوتا ہے۔ ہم سے کیا آخر یہاں نہیں بکتی کہیں اور بکتی۔"

حسینی :۔ "خانم صاحب یہاں پھر اچھی رہے گی۔ آپ نے سنا نہیں، بیویوں میں لونڈیوں کی کیا گت ہوتی ہے۔"

خانم :۔ "سنا کیوں نہیں۔ اے ابھی اس دن کا ذکر ہے سنا تھا سلطان جہاں آرا بیگم نے اپنی لونڈی کو میاں سے باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ سیخچوں سے داغ کے مار ڈالا۔"

حسینی :۔ "دنیا میں جو چاہیں کریں قیامت کے دن ایسی بیویوں کا منھ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کالا ہوگا۔"

خانم :۔ "منہ کالا ہوگا! جہنم کے کندے پڑیں گے۔"

حسینی :۔ "خوب ہوگا۔ موئیوں کی یہی سزا ہے۔"

اس کے بعد بوا حسینی نے بڑی منت سے کہا :۔

"بیوی یہ چھوکری تو مجھے دے دیجئے۔ میں پالوں گی۔ مال آپ کا ہے خدمت میں کروں گی۔"

خانم :۔ "تمھیں پالو۔"

اب تک تو بوا حسینی کھڑی ہوئی تھیں اس گفتگو کے بعد میرے پاس بیٹھ گئیں۔ مجھ سے باتیں کرنے لگیں۔

حسینی :۔ "بچی! تو کہاں سے آئی ہے؟"

میں :۔ "(رو کے) بنگلے سے۔"

حسینی :۔ "بنگلہ کہاں ہے؟"

خانم :۔ "اے ہے۔ کیا ننھی ہو؟ فیض آباد کو بنگلہ بھی کہتے ہیں۔"

حسینی :۔ "(مجھ سے) تمھارے ابا کا کیا نام ہے؟"

میں :۔ "جمعدار۔"

خانم :۔ "تم بھی غضب کرتی ہو۔ بھلا وہ نام کیا جانے۔ ابھی بچہ ہے۔"

حسینی :۔ "اچھا تمھارا نام کیا ہے؟"

میں :۔ "امیرن۔"

خانم :۔ "بھئی یہ نام تو مجھے پسند نہیں۔ ہم تو اُمراؤ کہہ کے پکاریں گے۔"

حسینی :۔ "سنا بچی! امراؤ کے نام سے تم بولا کرو۔ جب بیوی کہیں اُمراؤ، تم کہنا، جی۔"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اُس دن سے اُمراؤ میرا نام ہوگیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب میں رنڈیوں کے شمار میں آئی، لوگ اُمراؤ جان کہنے لگے۔

خانم صاحبہ مرتے دم تک اُمراؤ کہا کیں۔ بوا حسینی امراؤ صاحب کہتی تھیں۔ اس کے بعد بوا حسینی مجھے اپنے ساتھ اپنی کوٹھری میں لے گئیں۔ اچھا اچھا کھانا کھلایا۔ مٹھائیاں کھلائیں، مُنہ ہاتھ دُھلایا۔ اپنے پاس سُلا رکھا۔

آج رات کو میں نے ماں باپ کو خواب میں دیکھا، جیسے آبا نوکری پر سے آئے ہیں، مٹھائی کا دونا ہاتھ میں ہے، چھوٹا بھائی سامنے کھیل رہا ہے اس کو مٹھائی کی ڈلیاں نکال کے دیں۔ مجھے پوچھ رہے ہیں، جیسے میں دوسرے دالان میں ہوں۔ اماں باورچی خانہ میں ہیں۔ اتنے میں آبا کو جو دیکھا دوڑ کے لپٹ گئی رو رو کے اپنا حال کہہ رہی ہوں۔ خواب میں اتنا روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ بوا حسینی نے بیدار کیا۔ آنکھ جو کُھلی کیا دیکھتی ہوں نہ وہ گھر ہے نہ وہ دالان۔ ابّا ہیں نہ امّاں۔ بوا حسینی کی گود میں پڑی رو رہی ہوں۔ بوا حسینی آنسو پوچھ رہی ہیں۔ چراغ روشن تھا۔ میں نے دیکھا کہ بوا حسینی کے آنسو بھی برابر جاری ہیں۔

واقعی بوا حسینی بڑی نیک ذات عورت تھی۔ اس نے مجھ پر وہ شفقت کی کہ چند ہی روز میں، میں اپنے ماں باپ کو بھول گئی اور بھولتی نہ تو کرتی کیا، اول تو مجبوری دوسرے نئے مکان، نئے رنگ، نئے ڈھنگ، اچھے سے اچھا کھانے کو۔ کھانے وہ جن کے ذائقے سے بھی آگاہ نہ تھی۔ کپڑے وہ جو کبھی میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ تین لڑکیاں۔ بسم اللہ جان، خورشید جان، امیر جان، ساتھ کھیلنے کو، دن رات ناچ گانا، جلسے، تماشے، میلے، باغوں کی سیر۔ وہ کون سا ایسا عیش کا سامان تھا جو مہیا نہ تھا۔

مرزا صاحب آپ کہیں گے کہ میں بڑے کٹر دل کی لڑکی تھی کہ بہت جلد اپنے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ماں باپ کو بھول کر کھیل کود میں پڑ گئی - اگرچہ میرا سن بہت کم تھا، مگر خانم کے مکان میں آنے کے ساتھ ہی میرے دل کو آگاہی سی ہو گئی کہ مجھے اب عمر بھر یہیں تیر کرنا ہے۔ جیسے نئی دُلھن اپنی سسرال جا کے سمجھ لیتی ہے کہ میں یہاں ایک دو دن کے لیے نہیں بلکہ مرنے اور بھرنے کے لئے آئی ہوں - ٹھیک وہی میرا حال تھا راستے میں موئے ڈکیتوں کے ہاتھ سے وہ ایذا اُٹھائی تھی کہ خانم کا مکان میرے لئے بہشت تھا۔ ماں باپ کے ملنے کو میں نے بالکل ناممکن سمجھ لیا تھا اور جو چیز ناممکن سمجھ لی جاتی ہے اس کی آرزو باقی نہیں رہتی - اگرچہ فیض آباد لکھنؤ سے صرف ۴۰ کوس ہے مگر اس زمانے میں مجھے بے انتہا دور معلوم ہوتا تھا۔ بچپن کی سمجھ اور اب کی سمجھ میں بڑا فرق معلوم ہوتا ہے -

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۳)

اِک حال میں انساں کی بسر ہو نہیں سکتی
اب رنگ طبیعت کا بدل جائے تو اچھا

مرزا رسوا صاحب! خانم کا مکان تو آپ کو یاد ہوگا۔ کس قدر وسیع تھا، کتنے کمرے تھے۔ ان سب میں رنڈیاں (خانم کی نوچیاں) رہتی تھیں۔ ان کی ابھی رنڈیوں میں گنتی نہ تھی بسم اللہ (خانم کی لڑکی) اور خورشید میری ہم سنیں تھیں۔ ان کے علاوہ دس گیارہ ایسی تھیں جو الگ الگ کمروں میں رہتی تھیں۔ ہر ایک کا عملہ جُدا تھا۔ ہر ایک کا دربار علیحدہ ہوتا تھا۔ ایک سے ایک خوبصورت تھی سب گہنے پاتے سے آراستہ، ہر وقت بنی ٹھنی تولواں جوڑے پہنے۔ سادے کپڑے جو ہم لوگ روزمرّہ پہنے رہتے تھے، وہ اور رنڈیوں کو عید بقرعید میں نصیب نہیں ہوتے۔ خانم کا مکان تھا کہ ایک پرستان تھا۔ جس کمرہ میں جانکلو سوائے ہنسی مذاق۔ گانے بجانے کے کوئی اور چرچا نہ تھا۔ اگرچہ میں کم سن تھی، مگر پھر بھی عورت ذات بہت ہوشیار ہوتی ہے۔ اپنے مطلب کی سمجھتی تھی۔ بسم اللہ، خورشید کو گاتے ناچتے دیکھ کے دل میں خود بخود ایک اُمنگ سی پیدا ہوئی۔ بجائے خود گنگنانے اور تھرکنے لگی، اسی عرصہ میں میری بھی تعلیم شروع ہوگئی۔ میری طبیعت فن موسیقی سے بہت ہی مناسب پائی گئی۔ آواز بھی پکّے گانے کے لائق تھی۔ سرگم صاف ہونے کے بعد اُستاد نے آستائی شروع

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کرادی۔ اُستاد جی بہت اصول سے تعلیم دیتے تھے۔ ہر ایک راگ کا سرگم زبانی یاد کرایا جاتا تھا اور وہی گلے سے نکلواتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ کوئی سُر کومل سے اتی کومل، سدھ سے اسدھ یا تیور سے تیور تر ہو جائے۔ اور میری بھی حجتیں کرنے کی عادت تھی۔ پہلے تو اُستاد جی (خدا کرے ان کی روح شرمندہ نہ ہو) ٹال دیا کرتے تھے۔

ایک دن خانم صاحب کے سامنے میں رام کلی گا رہی تھی، دھیوت سدھ لگا گئی۔ اُستاد جی نے نہ ٹوکا۔ خانم صاحب نے پھر اسی کو کہلوایا۔ میں نے پھر اسی طرح کہا۔ اُستاد جی پھر با خبر نہ ہوئے۔ خانم صاحب نے گھور کے دیکھا۔ میں اُستاد جی کا مُنھ دیکھنے لگی۔ انھوں نے سر جھکا لیا۔ پھر تو خانم نے انھیں آڑے ہاتھوں لیا۔

خانم:۔ "اُستاد جی! یہ کیا تھا۔ رام کلی میں اوچار دھیوت سے ہے اور وہی سر ٹھیک نہیں۔ میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ دھیوت کومل ہے یا سدھ۔؟"

اُستاد:۔ "کومل"

خانم:۔ "او چھوکری، تو نے کیا کہا تھا۔؟"

اُستاد:۔ "سدھ"

خانم:۔ "پھر آپ نے ٹوکا کیوں نہیں؟"

اُستاد:۔ "کچھ مجھے خیال نہیں رہا"

خانم:۔ "واہ خیال کیوں نہیں رہا۔ اسی لیے میں نے دوبارہ کہلوایا پھر بھی آپ مُنھ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھے رہے۔ آپ اسی طرح چھوکریوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ ابھی کسی سمجھ دار کے سامنے اسی طرح گاتی تو کیا وہ میرے جنم میں تھوکتا۔

اُستاد جی اس وقت بہت خفیف ہوئے چپ ہو رہے، مگر دل میں بات لئے رہے۔ اُستاد جی اپنے کو نائک سمجھتے تھے اور تھے بھی ایسے ہی۔ اس دن خانم کا ٹوکنا ان کو بہت ہی ناگوار ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ میں سوہا گا رہی تھی۔ خانم بھی موجود تھیں میں نے استاد جی سے پوچھا۔ گندھار اس میں کومل ہے یا ات کومل؟

اُستاد جی :۔ "ات کومل"

خانم :۔ "خاں صاحب! ماشاء اللہ۔ یہ میرے سامنے"

اُستاد :۔ "کیوں؟"

خانم :۔ "اور پھر آپ یہ مجھی سے پوچھتے ہیں کیوں۔؟ سوہا میں گندھار ات کومل ہے؟ بھلا آپ تو کہئے۔!"

اُستاد :۔ "(کہنے لگے) گندھار کومل لگا گئے"

خانم :۔ "بس آپ ہی قائل ہو جئے۔ خود آپ کومل کہیں اور چھوکری کو بہکاتے ہیں یا مجھے کستے ہیں۔ خاں صاحب میں کچھ عطائی نہیں۔ خاک چاٹ کے کہتی ہوں، گلے سے نہ ادا ہو مگر ان کانوں نے کیا نہیں سُنا میں بھی ایسے ویسے گھرانے کی شاگرد نہیں ہوں۔ میاں غلام رسول کو آپ جانتے ہوں گے۔ ان باتوں سے کیا فائدہ۔ اگر بتانا ہو تو دل سے بتائیے نہیں تو معاف کیجئے میں کوئی اور بندوبست کر لوں گی۔ چھوکریوں کو غارت نہ کیجئے۔"

اُستاد جی :۔ "بہت خوب"

یہ کہہ کے اُٹھ گئے۔ کئی دن نہیں آئے۔ خانم خود تعلیم دینے لگیں۔ چند روز بعد خلیفہ جی بیچ میں پڑے۔ قسماقسمی ہو کے ملاپ ہو گیا۔ اس دن سے اُستاد جی ٹھیک ٹھیک بتانے لگے۔ بتاتے نہ تو کرتے کیا۔ وہ خانم کو اتنا نہ سمجھتے تھے۔ عمر بھر مجھے حیرت رہی کہ خانم زیادہ جانتی ہیں یا اُستاد جی۔ کیونکہ بہت سی باتیں جو خانم سے معلوم ہوئیں۔ اُستاد جی ان کو نہ بتا سکتے تھے یا جان بوجھ کر بتاتے نہ تھے۔ لاکھ قسماقسمی ہو چکی تھی، مگر پھر بھی یہ لوگ گُر کی باتیں نہیں بتاتے۔ مجھے کچھ ایسا شوق ہو گیا تھا کہ جہاں کسی بات

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میں شک ہوا یا میں سمجھتی کہ اُستاد جی ٹالتے ہیں۔ اُستاد جی کے جانے کے بعد خانم صاحب سے پوچھ لیتی تھی، وہ میرے اس شوق سے بہت ہی خوش ہوتی تھیں۔ بسم اللہ کو لعنتیاں دیا کرتی تھیں۔ بسم اللہ پر بہت محنت ہوئی مگر ٹپّہ، ٹھمری کے سوا کچھ نہ آیا۔ اس پر بھی لے سے ہانوں رہی۔ خورشید کی آواز اچھی نہ تھی صورت پری کی گلا ایسا جیسے پھٹا بانس۔ ہاں ناچنے میں اچھی تھی اور یہی اس نے سیکھا بھی تھا۔ ان کا مجرا صرف ناچ کا ہوتا تھا، یوں گانے کو صرف ایک آدھ چیز سیدھی سادھی گا بھی دیتی تھیں کہ گانے کا نام بھی ہو جائے۔

خانم کی نوچیوں میں بیگا جان گانے میں فرد تھیں، مگر صورت وہ کہ رات کو دیکھو تو ڈر جاؤ۔ سیاہ جیسے اُلٹا توا۔ اس پر چیچک کے داغ۔ پاؤ بھر قیمہ بھر دو تو سما جائے۔ لال لال آنکھیں، بھدی ناک بیچ میں سے پچکی ہوئی۔ موٹے موٹے ہونٹ، بڑے بڑے دانت۔ فربہ اندام، اس پر ٹھگنا قد۔ بونی ہتھنی کی لوگ پھبتی کستے تھے مگر قیامت کا گلا تھا۔ معلومات بہت اچھی تھی۔ مورچھنا انھیں کے گلے سے نکلتے سُنا۔ میں جب ان کے کمرے میں جا نکلتی مارے فرمائشوں کے دق کر دیتی تھی۔

میں :۔ "باجی ہاں! ذرا سرگم تو کہنا۔"

بیگا :۔ "سنو! سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی۔"

میں :۔ "میں یہ نہیں مانتی۔ سرتیاں الگ الگ کر کے بتاؤ۔"

بیگا :۔ "لڑکی! تو تو بہت ستاتی ہے۔ اپنے اُستاد جی سے نہیں پوچھتی۔"

میں :۔ "اللہ باجی تمھیں بتا دو۔"

بیگا :۔ "سارے گا ما پا دھا نی۔ دیکھ بائیس ہوئیں۔

۴ ۳ ۴ ۲ ۴ ۴ ۳ ۲۔

میں :۔ "شرارت سے) اوئی، میں نے نہیں گنیں۔ پھر کہو۔"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بیگا :۔ "جا اب نہیں کہتی"۔

میں :۔ "واہ، میں تو کہوا کے چھوڑوں گی"۔

بیگا :۔ "(پھر وہی کہہ دیا) لے اب نہ ستا"۔

میں :۔ "ہاں اب کی گنیں۔ نکھاویں دو ہیں نا۔؟"

بیگا :۔ "ہاں دو"۔

میں :۔ "تو ٹھیک بائیس ہوئیں۔ اچھا لے اب تینوں گرام کہہ دو۔

بیگا :۔ "لے اب ٹھلیے۔ کل آئیے گا"۔

میں :۔ "اچھا طنبورہ اُٹھا لاؤں کچھ گاؤ"۔

بیگا :۔ "کیا گاؤں۔؟"

میں :۔ "دھنا سری"۔

بیگا :۔ "کیا گاؤں۔ آستائی، دھرپد، ترانہ۔؟"

میں :۔ "اللہ باجی دھرپد گاؤ"۔

بیگا :۔ "لے سُن"۔

"تن کی تپ تب ہی مٹے جب پیا کو درشٹ بھر دیکھوں گی
جب درشن پاؤں گی ان کو تب ہی جی جنم اپنا دیکھوں گی
اشٹ جام دھیان موہے واکو رہت نہ جانوں کب درشن پیکھوں گی
جو کوہو پر بھو پیارے سے ملا دے دا کے پائن میں سیس ٹیکوں گی"

خانم جان کی نوچیوں کو صرف ناچ گانے کی تعلیم ہی نہ دی جاتی تھی بلکہ لکھنے پڑھنے کے لئے مکتب بھی تھا۔ مولوی صاحب نوکر تھے۔ سب دستور میں بھی مکتب میں کھنچی گئی۔ مولوی صاحب کا نورانی چہرہ، سفید کتردار داڑھی، صوفیانہ لباس ہاتھ میں عمدہ فیروزہ اور عقیق کی انگوٹھیاں، خاک پاک کی تسبیح اس میں سجدہ گاہ بندھی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہوئی ہروتی کی جریب، چاندی کی شام۔ بہت ہی نفیس ڈیڑھ خمہ حقہ، افیون کی ڈبیہ پیالی۔ غرضکہ جملہ تبرکات آج تک نظر میں ہیں۔ گیا ستھرا مذاق تھا۔ وضعداری بھی ایسی کہ کسی زمانہ میں بوا حسینی سے حسب اتفاق کچھ رسم ہوگیا تھا، آج تک اسے نباہے جاتے تھے۔ بوا حسینی بھی انھیں دین و دنیا کا شوہر سمجھتی تھیں۔ بڑھیا بڈھے میں اس مزے کی باتیں ہوتی تھیں کہ جوانوں کو حوصلہ ہوتا تھا۔ مکان کہیں زید پور کی طرف تھا۔ گھر پر خدا کے دیئے گاؤں گراؤں، مکان، بیوی۔ جوان لڑکے، لڑکیاں سب کچھ موجود تھا۔ مگر خود جب لکھنؤ میں تحصیل علم کے لئے تشریف لائے، یہیں رہے۔ شاید دو چار مرتبہ گئے ہوں گے۔ اکثر عزیز ملنے یہیں چلے آتے تھے۔ گھر سے کبھی کبھی کچھ آیا بھی کرتا تھا۔ دس روپئے خانم صاحب دیتی تھیں۔ یہ سب بوا حسینی کو ملتا تھا۔ کھانے پینے، حقے، افیون کی تاک بوا حسینی لیتی تھیں۔ تحویلدار بوا حسینی تھیں۔ کپڑا بوا حسینی بنوا دیتی تھیں۔ خانم بھی مولوی صاحب کو بہت مانتی تھیں، بلکہ مولوی صاحب کی وجہ سے بوا حسینی کی عزت کرتی تھیں۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ میری پرورش بوا حسینی نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اس لئے مجھ پر مولوی صاحب کی توجہ خاص تھی۔ یہ تو میں اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتی کہ مجھے کیا سمجھتے تھے، پاس ادب مانع ہے۔ اور لڑکیوں سے زیادہ مجھ پر تاکید تھی۔ مجھ ایسی کندۂ ناتراش کو انھوں نے آدمی بنا دیا۔ یہ انھیں کی جوتیوں کا صدقہ ہے کہ جس امیر و رئیس کی محفل میں گئی حیثیت سے زیادہ میری عزت ہوئی۔ انھیں کی بدولت آپ ایسے لائق و فائق صاحبوں کے جلسہ میں منھ کھولنے کی جرأت ہوئی۔ شاہی درباروں میں شرکت کا فخر حاصل ہوا۔ اعلیٰ درجہ کی بیگمات کے محل میں گذر ہوا۔

مولوی صاحب نے بہت ہی شفقت سے مجھے پڑھایا تھا۔ الف بے ختم ہونے کے بعد کریما، مامقیما، محمود نامہ، صرف، نہ داں پڑھا کے آمد نامہ یاد کرا دیا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اس کے بعد گلستاں شروع کرا دی۔ دو سطریں پڑھاتے تھے۔ سبق حفظ یاد کرایا جاتا تھا۔ خصوصاً اشعار۔ لفظ لفظ کے معنی۔ فقرے کی ترکیب نوک زباں تھی۔ لکھنے پڑھنے پر بھی محنت لی۔ املا درست کرایا گیا۔ خط لکھوائے گئے۔ گلستاں کے بعد اور کتابیں فارسی کی بانی ہو گئی تھیں۔ سبق اس طرح ہوتا تھا جس طرح آموختہ پڑھایا جاتا ہے۔ عربی کی صرف و نحو اور دو ایک رسالے منطق کے پڑھے۔ سات آٹھ برس مولوی صاحب کے پاس پڑھتی رہی شاعری کے شوق کی ابتدا اور انتہا سے آپ خود واقف ہیں، اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۴)

ہم نہیں ان میں جو پڑھ لیتے ہیں طوطے کی طرح
مکتبِ عشق و وفا تجربہ آموز بھی تھا

مکتب میں مجھ سمیت تین لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا تھا، گوہر مرزا، حد کا شریر بد ذات، سب لڑکیوں کو چھیڑا کرتا تھا۔ کسی کو مُنھ چڑھا دیا۔ کسی کے چٹکی لے لی۔ اس کی چوٹی پکڑ کے کھینچ لی۔ اس کے کان دُکھا دیے۔ دو لڑکیوں کی چوٹی ایک میں جکڑ دی۔ کہیں قلم کی نوک توڑ ڈالی۔ کہیں کتاب پر دوات اُلٹ دی۔ غرضکہ اس کے مارے ناک میں دم تھا لڑکیاں بھی خوب دھپیاتی تھیں اور مولوی صاحب بھی قرار واقعی سزا دیتے تھے۔ مگر وہ اپنی آنی بانی سے نہ چوکتا تھا۔ سب سے بڑھ کے میری گت بناتا تھا۔ کیونکہ میں سب سے انیلی اور گیگلی سی تھی اور مولوی صاحب کے دباؤ میں بھی رہتی تھی۔ میں نے مولوی صاحب سے کہہ کہہ کے مار پٹوائی۔ مگر بے غیرت کسی طرح باز نہ آیا۔ آخر میں بھی چٹلیاں کھاتے کھاتے عاجز آگئی۔ میری فریاد پر مولوی صاحب بہت ہی بے دردی سے اس کو سزا دیتے تھے کہ خود مجھے ترس آجاتا تھا۔

گوہر مرزا کے اس مکتب میں آنے کا سبب بھی بوا حسینی تھیں۔

نواب سلطان علی خاں ایک بڑے عالی خاندان رئیس تھے۔ ان سے اور بنّو ڈومنی سے رسم تھا انھیں سے یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اگرچہ بنّو سے اور نواب صاحب سے اب ترکِ ملاقات

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہوئے مدت گزر گئی تھی مگر دس روپے ماہ بماہ لڑکے کی پرورش کے دیئے جاتے تھے اور بیگم سے چھپ کے کبھی کبھی ملا کے دیکھ بھی لیا کرتے تھے۔ بنّو قاضی کے باغ کی رہنے والی تھیں، وہیں بوا حسینی کے بھائی کا گھر تھا۔ کھڑکی درمیان میں تھی۔ گوہر مرزا بچپنے ہی سے ذات شریف تھے۔ تمام محلہ کا ناک میں دم تھا۔ کسی کے گھر میں ڈھیلا پھینک دیا کسی لڑکے سے چڑ کوؤں کا پنجرہ دیکھنے کو مانگا اس نے دے دیا آپ نے کھڑکی کی تیلی کھول دی سب چڑ کوے پھر سے اُڑ گئے۔ غرضکہ طرح طرح کے آزار دیتے تھے۔ آخر ماں نے عاجز آ کر محلہ کی مسجد میں ایک مولوی صاحب کے پاس بٹھا دیا۔ یہاں بھی آپ نے اپنے ہتھکنڈے نہ چھوڑے۔ تمام ہم مکتب لڑکوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اس کے کرتے میں مینڈک چھوڑ دیا۔ اس کی ٹوپی پھاڑ ڈالی۔ ایک لڑکی کی جوتی اُٹھا کے کنوئیں میں ڈال دی۔

ایک دن مولوی صاحب نماز پڑھ رہے تھے، حضرت نے ان کا نیا چرمھوال جوتہ حوض میں پیرا دیا۔ خود بیٹھے ہوئے سیر دیکھ رہے ہیں۔ اتنے میں کہیں مولوی صاحب سر پہ پہنچ گئے۔ اب تو گوہر مرزا کی خوب مرمت ہوئی۔ مولوی صاحب نے مارے طمانچوں کے مُنھ لال کر دیا۔ اور کان پکڑے ہوئے بنّو کے گھر پہ لے آئے۔ دروازہ پر سے پکار کے کہا:۔ "لو صاحب اپنا لڑکا لو ہم اسے نہ پڑھائیں گے۔" یہ کہہ کے مولوی صاحب تو اُدھر گئے۔ گوہر مرزا مظلوم صورت بنائے ہوئے روتا ہوا گھر میں آیا۔ اس وقت بوا حسینی بنو سے بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ لڑکے کا جو یہ حال دیکھا آپ کو بہت ہی ترس آیا لڑکے کے کرتوتوں سے تو آگاہ نہ تھیں مولوی صاحب کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔

بوا حسینی:۔ "اے ہے مولوی کاہے کو موا قصائی ہے۔ لڑکے کا مُنھ مارے طمانچوں کے لال کر دیا۔ اے لو کان بھی لہو لہان کر دیئے۔ بی بی ایسے مولوی سے کوئی نوج پڑھوائے۔ آخر ہمارے مولوی صاحب بھی تو پڑھاتے ہیں کیسا چمکار کے دُلار سے پڑھاتے ہیں۔"

بنّو نے چھوٹتے ہی کہا:۔ "پھر بالا سے بوا حسینی اس کو اپنے مولوی صاحب ہی کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پاس لے جاؤ۔"

بوا حسینی:- "لے تو جاؤں۔ مگر دور بہت ہے۔"

بنّو:- "تمہارے بھائی کے ساتھ صبح کو بھجوا دیا کروں گی۔ شام کو بلا لیا کروں گی۔"

بوا حسینی:- "اچھا تو بھجوا دیا کرو۔"

مولوی صاحب سے پوچھنا تھا۔ اس لئے بوا حسینی کو اپنی حسن خدمت پر بھروسہ تھا۔ جانتی تھیں کہ مولوی صاحب انکار تو کریں گے نہیں۔

دوسرے دن علی بخش (بوا حسینی کے بھائی کا نام تھا) گوہر مرزا کو ساتھ لئے مٹھائی کا خوان سر پر رکھے بوا حسینی کے پاس پہنچے۔ بوا حسینی نے خوشی خوشی مٹھائی تقسیم کی۔ لڑکے کو مولوی صاحب کے پاس بٹھا دیا۔

گوہر مرزا سب سے زیادہ مجھی کو ستاتا تھا۔ دن رات داد بیداد کا غل رہتا تھا۔ مولوی صاحب نے اس کو بہت بہت مارا مگر اس نے مجھے ستانا نہ چھوڑا۔ اسی طرح کئی برس گذر گئے۔ آخر میرے اس کے صلح ہوگئی یا یوں کہئے کہ میں اس کے ستانے کی خوگر ہوگئی۔

گوہر مرزا کے اور میرے سن میں کچھ ہی فرق ہوگا۔ شاید وہ مجھ سے دو ایک سال بڑا ہو۔ جس زمانے کا حال لکھ رہی ہوں میرا سن کوئی تیرہ برس کا ہوگا اور گوہر مرزا کا چودھواں پندرھواں سال کا تھا۔

گوہر مرزا کے ستانے سے مجھے مزا آنے لگا۔ اس کی آواز بہت اچھی تھی۔ ڈومنی کا لڑکا تھا، قدرتی لے دار۔ بتانے میں مشاق۔ بولی بولی پھڑکتی تھی۔ ادھر میں نے سر سے آگاہ۔ جب مولوی صاحب مکتب میں نہ ہوتے تھے خوب جلسے ہوتے تھے۔ کبھی میں گانے لگی وہ بتانے لگا۔ کبھی وہ گا رہا ہے میں تال دے رہی ہوں۔ گوہر مرزا کی آواز پر اور رنڈیاں بھی فریفتہ تھیں۔ ہر ایک کمرہ میں بلایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ میرا جانا بھی ایک ضروری بات تھی کیونکہ بغیر میری اس کی سنگت کے لطف نہ تھا۔ سب سے زیادہ امیر جان اس کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لگانے پڑتی تھیں۔ مرزا صاحب! آپ کو وہ زمانہ تو یاد ہے امیرجان کا۔"

مرزا صاحب:۔ "یاد ہے کہے جاؤ۔"

امراؤ:۔ "امیرجان کا وہ زمانہ جب وہ مفتخرالدولہ بہادر کی ملازم تھیں۔ اللہ رے جوبن کے ٹھاٹھ! وہ اُٹھتی ہوئی جوانی۔

کھلتی کھلتی وہ چمپئی رنگت

بھولی بھولی وہ موہنی صورت

بانکی بانکی ادائیں ہوش رُبا

ترچھی ترچھی نگاہیں قہر خدا

بوٹا سا قد، چھریرا بدن، نازک نازک ہاتھ پاؤں۔"

رُسوا:۔ "اب تو جب میں نے اُن کو دیکھا ہے تو انگلی پر ڈالنے کے لائق تھیں ایسی بری صورت ہو گئی تھی کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔"

اُمراؤ:۔ "کہاں دیکھا تھا؟"

رُسوا:۔ "انہیں کے گھر میں دیکھا تھا۔ جن کے کمرے کے سامنے شاہ صاحب گیروے کپڑے پہنے ہزار دانے کی تسبیح ہاتھ میں لئے کھڑے رہتے تھے، ادھر سے جو نکلتا اسے سلام کر لیتے تھے۔ کبھی کسی سے سوال نہ کرتے تھے۔"

اُمراؤ:۔ "سمجھ گئی، وہ شاہ صاحب ان کے عاشقوں میں تھے۔"

رُسوا:۔ "جی ہاں، کیا میں نہیں جانتا۔"

اُمراؤ:۔ "اچھا، تو آپ وہیں رہتے ہیں۔"

رُسوا:۔ "اُن کی مصاحبت میں ہوں۔"

اُمراؤ:۔ "اور ان کا کیا حال ہے؟"

رُسوا:۔ "وہ ایک حکیم صاحب پر مرتی ہیں۔"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اُمراؤ:۔ "کون حکیم صاحب؟"

رُسوا:۔ "آپ نہیں جانتیں، نام بھی بتا دوں گا تب بھی آپ نہ سمجھیں گی، پھر بتانے سے کیا فائدہ۔"

اُمراؤ:۔ "خیر کچھ بتا دیجئے، میں سمجھ جاؤں گی۔"

رُسوا:۔ "وہ نخاس ....."

اُمراؤ:۔ "خوب جانتی ہوں۔ یہی امیر جان اس زمانہ میں ایسی تھیں کہ لوگ ان کو ایک نظر دیکھنے کی آرزو رکھتے تھے۔ مزاج میں وہ تمکنت تھی کہ ایسے ویسوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، اچھے اچھوں کی دعا قبول نہ ہوتی تھی۔ ٹھاٹھ بھی ایسے ہی تھے کہ دو دو مہریاں ساتھ۔ ایک گڑگڑی لئے ہے، ایک کے ہاتھ میں پنکھا ہے، ایک لُٹیا لئے، ایک کے پاس خاصدان ہے۔ خدمت گار وردیاں پہنے سواری کے ساتھ دوڑے جاتے ہیں۔

امیر جان گوہر مرزا کے گانے پر غش تھیں۔ خود گانا وانا جانتی نہ تھیں، مگر گانا سُننے کا بڑا شوق تھا۔

گوہر مرزا بچپنے ہی سے رنڈیوں کا کھلونا تھا۔ ہر ایک اس پر دم دیتی تھی صورت شکل بھی پیار کرنے کے قابل تھی۔ رنگ تو کسی قدر سانولا تھا، مگر ناک نقشہ قیامت کا پایا تھا۔ اس پر جامہ زیبی، شوخی، شرارت، کہی بات ......

رُسوا:۔ "کیوں نہ ہو۔ کس ماں کا بیٹا تھا۔"

اُمراؤ:۔ "آہ! تو کیا آپ نے بتّو کو دیکھا تھا؟"

رُسوا:۔ (مسکراتے ہوئے) جی ہاں آپ یہی قیاس کر لیجئے۔"

اُمراؤ:۔ "مرزا صاحب آپ کے مذاق بھی کیا درپردہ ہوتے ہیں۔"

رُسوا:۔ "خیر! آپ نے تو پردہ فاش کر دیا۔"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اُمراؤ:۔ "اچھا تو اب تھوڑی دیر مذاق ہی رہے۔ میری سرگذشت کو آگ لگائیے۔

رُسوا:۔ "مذاق کے لئے شب بھر باقی ہے۔ آپ اپنا قصہ کہئے"۔

اُمراؤ۔ "دیکھیے دوسری ہوئی۔ اچھا سُنئے:۔

"صبح سے دس گیارہ بجے تک تو مولوی صاحب کے پاس سے کس کی مجال تھی کہ دم بھر کے لئے کہیں کھسک جائے۔ اس کے بعد مولوی صاحب خاصہ کھانے جاتے تھے اُس وقت ہمیں فرصت ملتی تھی۔ پھر ایک کمرہ ہے اور ہم ہیں۔ آج امیر جان کے پاس۔ کل جعفری کے کمرے میں۔ پرسوں بتن کے یہاں۔ پھر جہاں جاؤ خاطر مدارات، میوہ مٹھائیاں، حُقّہ، پان"۔

رُسوا:۔ "آپ بچپن ہی سے حقہ پیتی ہیں۔؟"

اُمراؤ:۔ "جی ہاں! گوہر مرزا کی دیکھا دیکھی مجھے بھی ہوس ہوئی تھی، شوقیہ پیتی تھی، پھر تو نگوڑی لت ہو گئی"۔

رُسوا:۔ "گوہر مرزا صاحب تو چنڈو بھی پیتے تھے عجب نہیں آپ نے اس میں بھی اُن کی ہوس کی ہو"۔

اُمراؤ:۔ "خدا نے آج تک تو اس سے بچایا۔ مگر ہاں افیون کی قسم نہیں کھاتی۔ وہ بھی اب شروع کی ہے کربلائے معلّٰی سے آنے کے بعد نزلے کی شدّت ہوئی۔ آئے دن زکام رہتا تھا۔ حکیم صاحب نے کہا، "افیون کھاؤ" کھانے لگی"۔

رُسوا:۔ "اور وہ چیز نزلہ کی روکنے والی"؟

اُمراؤ:۔ "اب اس کا ذکر نہ کیجئے"۔

رُسوا:۔ "کیا۔ تائب ہو گئیں۔؟"

اُمراؤ:۔ "مدت ہوئی"۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رُسوا :- " واقعی کمبخت کیا بُری چیز ہے۔ اپنا تو یہ حال ہے،

بعد توبہ کے بھی ہے دل میں یہ حسرت باقی
دے کے قسمیں کوئی اِک جام پلادے ہم کو

اُمراؤ :- " ہائے کیا شعر کہا ہے مرزا صاحب۔ قسمیں دلانے کو تو میں موجود ہوں پینے نہ پینے کا تمھیں اختیار ہے "

رُسوا :- " آپ بھی شغل کیجئے گا۔ ؟ "

اُمراؤ :- " توبہ "

رُسوا :- " توبہ ! "

ابر بھی ہے، ہوائے سرد بھی ہے
پھر وہ یادش بخیر یاد بھی ہے

اُمراؤ :- " ئے بس اب طبیعت کو روکئے۔ جمائیاں آنے لگیں، للّٰہ اس ذکر کو جانے دیجئے "

رُسوا :- " جانے دیجئے "

اُمراؤ :- " مذاق سے بھی معاف فرمایئے۔ ؎

اب نہ ہم منہ لگائیں گے اُس کو
یاد آئی تو خیر یاد آئی "

رُسوا :- " واللہ امراؤ جان کیا شعر کہا ہے "

اُمراؤ :- " تسلیم۔

دیکھ کر مشہدِ ادا اُن کو
لالہ و گُل کی سیر یاد آئی

رُسوا :- " ماشاء اللہ طبیعت زوروں پر ہے۔ کیوں نہ ہو عالمِ شباب کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ذکر کی یہ تاثیر ہے۔"

اُمراؤ:- "جی نہیں، شراب کے ذکر کی تاثیر ہے۔"

زاہد و ہم کو آج، پھر وہ شے
جس سے ہے تم کو بیر، یاد آئی

رُسوا:- "اہاہا- کیا قافیہ نکالا ہے اور کہا بھی خوب۔

کعبہ سے پھر کے ہم ہوئے گمراہ
پھر وہی راہِ دیر یاد آئی

اُمراؤ:- "اے کیا کہنا، یہ "کعبہ سے پھر کے کیا خوب" کہا ہے۔ مرزا صاحب سے مطلع نہ کر دیجئے"

پھر کے کعبہ سے سیر یاد آئی
پھر وہی راہ دیر یاد آئی

رُسوا:- "خاصہ"

اُمراؤ:- "روشِ وحش و طیر یاد آئی،
دشتِ وحشت کی سیر یاد آئی

رُسوا:- "یہ مطلع بھی بُرا نہیں ہے"

اُمراؤ:- "یہ شعر ملاحظہ ہو"

ہم کو بنت العنب سے شکوہ ہے
کیوں ہمیں اُس بغیر یاد آئی

رُسوا:- "میں تو کہتا ہوں طبیعت آج جودت پر ہے۔ اچھا یہ شعر سن لیجئے، اور پھر اپنا قصہ دُہرانا شروع کیجئے۔

ہوا بھی ابر بھی، گلزار بھی، شراب بھی ہو   یہ سب بھی ہو مگر اگلا سا وہ شباب بھی ہو

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اُمراؤ:۔ "واہ مرزا صاحب! آپ نے تو دل کو مُردہ کر دیا۔ خیر آمدم برسر مطلب۔ اس طرح سے کئی برس میری زندگی کے خانم کے مکان پر گذرے۔ اس درمیان میں کوئی واقعہ ایسا نہیں گذرا جس کا بیان ضروری ہو۔ ہاں خوب یاد آیا۔ بسم اللہ کی مسی بڑی دھوم سے ہوئی۔ میری آنکھوں کے دیکھتے شاہی سے لے کر اب تک پھر ویسی مسی نہیں ہوئی۔ دلارام کی بارہ دری اس جلسے کے لئے سجائی گئی تھی۔ اندر سے باہر تک روشنی تھی۔ شہر کی رنڈیاں، ڈوم، ڈھاڑی، کشمیری بھانڈ سب تو تھے ہی۔ دُور دُور سے ڈیرہ دار طوائفیں بلوائی گئی تھیں۔ بڑے بڑے نامی گویے دلی تک سے آئے تھے۔ سات دن رات گانے بجانے کی صحبت رہی۔ خانم نے جیسا دل کھول کر حصے تقسیم کئے ہیں اس کا آج تک شہرہ ہے۔

بسم اللہ، خانم کی اکلوتی لڑکی تھی جو کچھ نہ ہوتا کم تھا۔ نواب چھبن صاحب نے اپنی دادی عمدۃ الخاقان بیگم کا ورثہ پایا تھا۔ بہت ہی کم سن نواب زادہ تھا۔ خانم نے خُدا جانے کن ترکیبوں سے کیا مارا، بے چارے پھنس ہی تو گئے۔ پچیس تیس ہزار روپے نواب صاحب کے اس جلسہ میں خرچ ہوئے۔ اس کے بعد بسم اللہ نواب صاحب کی ملازم ہو گئیں۔

مرزا رسوا صاحب! جو باتیں آپ مجھ سے پوچھتے ہیں ان کا میری زبان سے نکلنا سخت مشکل ہے۔ یہ سچ ہے کہ رنڈیاں بہت بے باک ہوتی ہیں، مگر زمانہ خاص ہوتا ہے، سن کا تقاضہ بھی کوئی چیز ہے۔ جوشِ جوانی کی وجہ سے جو باتیں اپنی حد سے گذر جاتی ہیں سن اُتر کر ان میں کمی ضرور ہونا چاہیے، تاکہ اعتدال قائم رہے، آخر رنڈیاں عورت ذات ہیں۔ ان باتوں کو پوچھنے سے آپ کو کیا فائدہ۔

رُسوا:۔ "کچھ تو فائدہ ہے جو میں اصرار کر کے پوچھتا ہوں، اگر آپ خواندہ نہ ہوتیں تو آپ کے یہ سب عذر قابلِ سماعت ہو سکتے تھے۔ پڑھے لکھوں کو ایسی بیجا شرم

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نہیں چاہئے۔"

اُمراؤ:۔"اوئی! تو کیا پڑھنے سے آنکھوں کا پانی ڈھل جاتا ہے۔ یہ آپ نے خوب کہی۔"

رُسوا:۔" اچھا۔ اچھا تو کہئے فضول باتوں سے میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔"

اُمراؤ:۔"کہیں کسی اخبار میں نہ چھپوا دیجئے گا۔"

رُسوا:۔" اور آپ کیا سمجھی ہیں۔؟"

اُمراؤ:۔" ہائے فضیحت! توبہ کیجئے۔ مجھے بھی آپ اپنی طرح رُسوا کریں گے۔"

رُسوا:۔"خیر، اگر آپ میرے ساتھ رُسوا ہوں گی تو کوئی قباحت نہیں۔

رُسوا سے کیوں ملے ہو محبت جتا کے تم
چھوڑوں گا اب نہ میں تمھیں رُسوا کئے بغیر

اُمراؤ:۔" نوج آپ سے کوئی محبت کرے۔

زاہد سے گفتگو ہو کہ ناصح سے بحث ہو
بنتی نہیں ہے ذکر کسی کا کئے بغیر

رُسوا:۔"کس کا شعر ہے؟"

اُمراؤ:۔"یہ آپ مجھ سے کیوں پوچھا کرتے ہیں۔"

7/1/92

رُسوا:۔" ہاں سمجھا۔ تو یہ غزل آپ نے بھی سُنی ہے۔"

اُمراؤ:۔ جاتے ہیں جان بیچ کے بازارِ عشق میں
ہم آئیں گے نہ عشق کا سودا کئے بغیر

رُسوا:۔"اور وہ شعر یاد ہے؟ تقاضا کئے بغیر۔"

اُمراؤ:۔ وعدہ ہو یا کہ قول وہ ایسے ہیں نا دہند
ملتا نہیں کچھ ان سے تقاضا کئے بغیر!

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رُسوا:۔ "اور کوئی شعر یاد ہے؟"

اُمراؤ:۔ "اور تو یاد نہیں آتا۔"

رُسوا:۔ "یہ تو بہت بڑی غزل تھی۔ دیکھنا کہیں نقل پڑی ہو تو مجھے دکھانا۔"

اُمراؤ:۔ "اُنھیں سے نہ منگوالو۔"

رُسوا:۔ "خود جا کے۔ لکھ لاؤں تو ممکن ہے، وہ تو ہرگز نہ لکھیں گے۔"

اُمراؤ:۔ "یہ بھی کوئی بات ہے۔"

رُسوا:۔ "جی ہاں آپ کو نہیں معلوم مسودے کے سوا غزل صاف کرنے تک کی قسم ہے۔"

اُمراؤ:۔ "اچھا ایک دن ہم اور آپ دونوں چلیں۔ ہاں ایک شعر اور یاد آیا:۔

ہر چند اس میں آپ ہی بدنام کیوں نہ ہوں،
باز آئیں گے نہ وہ مرا چرچا کئے بغیر!

اور سُنئے:۔ غیروں کو ہے ستم کے تقاضے کا حوصلہ
چھوڑیں گے یہ نہ عشق کو رُسوا کئے بغیر

رُسوا:۔ "میری بھی غزل اسی طرح میں تھی مگر خُدا جانے کیا ہوئی صرف مقطع یاد رہ گیا۔"

اُمراؤ:۔ "مقطع پھر سنائیے۔ کیا خوب کہا ہے۔"

رُسوا:۔ "سُنئے۔

رُسوا سے کیوں ملے ہو محبّت جتا کے تم
چھوڑوں گا اب نہ میں تمھیں رُسوا کئے بغیر

اُمراؤ:۔ "واقعی خوب کہا ہے۔ مگر اس میں آپ کے تخلّص نے خاص لطف پیدا کر دیا ہے۔"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رسوا:۔ "تخلص کا ذکر نہ کیجئے، ایک عنایت فرما کی عنایت سے شہر میں اب کئی رسوا موجود ہیں۔ لوگ خواہ مخواہ اپنے اچھے خاصے تخلص چھوڑ کے رسوا ہوئے جاتے ہیں۔ وہ تو کہئے میرا نام نہیں جانتے نہیں تو کیا عجب ہے لوگ نام بھی بدل ڈالیں۔ مگر میں تو خوش ہوں اس لئے کہ رسم کے مطابق باپ بیٹوں کا نام ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ سب میرے روحانی فرزند ہیں جس قدر نسل ترقی کرے گی میرا نام روشن ہوگا۔ لے اب ٹالے ٹلئے نہیں۔ جو کچھ میں نے پوچھا ہے وہ کہنا ہی پڑے گا۔"

امراؤ:۔ "کیا زبردستی ہے۔ کیا بے شرمی کی باتیں آپ پوچھتے ہیں۔"

رسوا:۔ "بیاہ براتوں میں گالیاں گانے سے زیادہ بے شرمی نہ ہوگی۔"

امراؤ:۔ "آپ کے لکھنؤ میں تو رنڈیاں گالیاں نہیں گاتیں۔ ڈومنیاں البتہ گاتی ہیں۔ وہ بھی عورتوں میں۔ دیہات کی رنڈیوں کو گانا پڑتی ہیں مردوں میں۔ واقعی مرزا صاحب شہر یا دیہات یہ رسم تو کچھ اچھی نہیں ہے۔"

رسوا:۔ "آپ کے کہنے سے اچھی نہیں ہے ہم نے ان آنکھوں سے دیکھا ہے اور کانوں سے سنا ہے اچھے اچھے شریف مرد آدمی عورتوں میں گھس کر گالیاں سنتے ہیں۔ ماں بہنیں پنی جا رہی ہیں اور یہ خوش ہیں باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔ آج خدا نے یہ دن دکھایا کاش خدا یہ دن نہ دکھاتا۔ اس کے علاوہ برات کی رات بھر اور صبح کی جو بیہودگیاں با عصمت بہو بیٹیوں میں ہوتی ہیں اس کا ذکر بھی کیا خیر ان باتوں کو رہنے دیجئے۔ ہم کوئی مصلح قوم نہیں جو ان باتوں پر نکتہ چینی کریں۔"

امراؤ:۔ "آپ نہ مانئے گا۔ لے سنئے:۔

جب سے بسم اللہ کی مسی ہوئی ہے خورشید جان اور امیر جان کے کارخانے دیکھے۔ میرے دل میں ایک خاص قسم کی امنگ پیدا ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک خاص رسم (جس سے میں بالکل ناواقف تھی) کے ادا ہونے کے بعد بسم اللہ سے بسم اللہ جان ہو

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خورشید سے خورشید جان ہوگئیں۔ بے باکی سند حاصل ہوگئی۔ آزادی کا خلعت بن گیا۔
اب یہ لوگ مجھ سے علیحدہ ہوگئے۔ میں ان کی نگاہوں میں حقیر سی معلوم ہوتی تھی۔ وہ مردوں کے ساتھ بے تکلف ہنسی مذاق کرنے لگی تھیں۔ اُن کے کمرے جُدا جُدا سجا دیئے گئے تھے۔ نواڑ کے پلنگ ڈوریوں سے کسے ہوئے تھے۔ فرش پر سُتھری چاندنیاں بچھی ہوئی۔ بڑے بڑے نقشی پاندان، حسن دان، خاصدان اور اُگالدان اپنے اپنے قرینوں سے رکھے ہوئے۔ دیواروں پر حبشی آئینے۔ عمدہ عمدہ تصویریں۔ چھت میں گیریاں لگی جس کے درمیان ایک مختصر سا جھاڑ۔ اِدھر اُدھر عمدہ ہانڈیاں۔ سرِ شام سے دو کنول روشن ہوجاتے ہیں۔ دو دو مہریاں دو دو خدمتگار ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ خوبصورت نوجوان رئیس زادے ہر وقت دل بہلانے کو حاضر۔ چاندی کی گڑگڑی منہ سے لگی ہوئی ہے۔ سامنے پاندان کھلا ہے، ایک ایک کو پان لگا کے دیتی جاتی ہیں، چہلیں ہوتی جاتی ہیں۔ اُٹھتی ہیں تو لوگ بسم اللہ کہتے ہیں، چلتی ہیں تو لوگ آنکھیں بچھائے دیتے ہیں۔
یہ ہیں کہ کسی کی پرواہ نہیں کرتیں، جو ہے انھیں کے حکم کا تابع ہے۔ حکومت بھی وہ کہ زمین و آسمان ٹل جائے مگر ان کا کہنا نہ ٹلے۔ فرمائشوں کا تو ذکر ہی کیا، بن مانگے لوگ کلیجہ نکال کے دیئے دیتے ہیں۔ کوئی دل ہتیلی پر رکھے ہوئے ہے کوئی جان قربان کر رہا ہے یہاں کسی کی نذر ہی قبول نہیں ہوتی۔ کوئی بات نظر میں نہیں سماتی۔ بے پروائی یہ کہ کوئی جان بھی دیدے تو ان کے نزدیک کوئی مال نہیں۔ غرور ایسا کہ ہفت اقلیم کی سلطنت ان کی ٹھوکر پر ہے۔ ناز وہ کہ کسی سے اُٹھایا نہ جائے مگر اُٹھانے والے اُٹھاتے ہیں۔ انداز وہ کہ مار ہی ڈالے، مگر مرنے والے مر ہی جاتے ہیں۔ اِدھر اُس کو رُلا دیا، اُدھر اُس کو ہنسا دیا۔ کسی کے کلیجہ میں چٹکی لے لی، کسی کا دل تلووں سے مسل ڈالا۔ بات بات میں روٹھی جاتی ہیں۔ لوگ منا رہے ہیں، کوئی ہاتھ جوڑ رہا ہے، کوئی منت کر رہا ہے۔ قول کیا اور مُکر گئیں۔ قسم کھائی اور بھول گئیں۔ محفل بھر میں سب کی نگاہ ان کی طرف ہے، یہ آنکھ اُٹھا کے بھی نہیں دیکھتیں۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پھر جدھر دیکھ لیا اُدھر سب دیکھنے لگے۔ جس پر ان کی نگاہ پڑتی ہے اُس پر ہزاروں نگاہیں پڑتی ہیں۔ رشک کے مارے لوگ جلے جاتے ہیں اور یہ جان جان کے جلا رہی ہیں اور لطف یہ کہ دل میں کچھ نہیں۔ وہ بھی پیچ یہ بھی۔ ہے فقط بناوٹ۔ اگر وہ بے چارہ اس فریب میں آگیا پھر کیا تھا۔ بیٹھے خود مرنے لگیں۔

آج کل ان کو بہت ہے مری خاطر منظور
یا مری یا مرے دشمن کی قضا آئی ہے

مریں اُن کے دشمن، آخر اُسی کو مار ڈالا۔ اب جا کے کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی۔ اس غریب کے گھر میں رونا پیٹنا پڑا ہے، یہ بیٹھی یاروں کے ساتھ قہقہے لگا رہی ہیں۔ مرزا صاحب۔ ان باتوں کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور بیان کر سکتے ہیں۔ مگر یہ کرشمہ دیکھ دیکھ کے جو کچھ میرے دل پر گزرتی تھی اس کو میں خوب جانتی ہوں۔ عورت کو عورت سے جو رشک ہوتا ہے اس کی کچھ انتہا نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے اگرچہ مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ سب کے چاہنے والے مجھ ہی کو چاہیں اور سب کے مرنے والے مجھی پر مریں۔ نہ کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھیں نہ کسی پر جان دیں۔ مگر میری طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا بوا حسینی کی کوٹھری جس کی در و دیوار سے لے کر چھت تک دھوئیں سے سیاہ تھی۔ اس کے ایک طرف جھلنگا پلنگ پڑا ہوا تھا اس پر ہم اور بوا حسینی رات کو پڑ رہتے تھے۔ ایک طرف کوٹھری میں چولھا بنا ہوا تھا۔ اس کے پاس دو گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ یہیں دو بد قلعی سی پتیلیاں، لگن، توا، رکابیاں، پیالے ادھر اُدھر پڑے رہتے تھے۔ ایک کونے میں آٹے کی مٹکی تھی، اس پر دو تین ڈالیں، نمک مصالحہ، ہانڈیوں میں، اسی کے پاس جلانے کی لکڑیاں، سوختہ، مصالحہ پیسنے کی سل، بٹہ۔ خلاصہ یہ کہ تمام کر کری خانہ یہیں تھا۔ چولھے کے اوپر دو کیلیں لگی تھیں کھانا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پکاتے وقت اس پر چراغ رکھ دیا جاتا تھا اور چکنا ہوا چھوٹا سا ڈیوٹ پلنگ کے پاس دھرا رہتا تھا۔ کھانا پکانے کے بعد ہی وہ چراغ اُس پر رکھ دیا جاتا تھا۔ چراغ میں پتلی سی بتی پڑی ہے۔ موا اندھا اندھا جل رہا ہے۔ لاکھ اکساؤ تو اونچی نہیں ہوتی اس کوٹھری کی آرائش میں دو چھینکے بھی تھے، ان میں سے ایک میں پیاز رہتی تھی اور دوسرے میں سالن دال کی پتیلی۔ چپاتیاں مولوی صاحب کے واسطے ڈھانپ کے رکھ دی جاتی تھیں۔ پیاز والا چھینکا تو چولھے کے قریب تھا اور یہ دوسرا میرے سینے پہ دھرا رہتا تھا۔ اگر اچانک پلنگ پر کھڑی ہوئی تو سالن کی پتیلی کھٹ سے سر میں لگی۔ صبح سے گیارہ بجے تک مولوی صاحب کی قمچیاں اور شام سے نو بجے تک اُستاد کی جھڑکیاں اور گزدوں کی مار۔ یہ ہمارا اخلاص و پیار تھا۔ مگر میں اپنے کرتوتوں سے باز نہ آتی تھی۔

اوّل اوّل تو مجھے آئینہ دیکھنے کا شوق ہوا۔ اب میرا سن چودہ برس کا تھا۔ ادھر بوا حسینی کوٹھری سے ٹلیں، اُدھر میں نے ان کی پٹاری سے آئینہ نکالا۔ اپنی صورت دیکھنے لگی۔ اپنا ناک نقشہ اور رنڈیوں سے ملاتی تھی۔ مجھے اپنے چہرے بھر میں کوئی چیز بُری نہ معلوم ہوتی تھی بلکہ اوروں سے اپنے کو بہتر سمجھتی تھی اگرچہ درحقیقت ایسا نہ تھا۔

رُسوا:۔ "تو کیا آپ کی صورت کسی سے بُری تھی؟ اب بھی سینکڑوں سے اچھی ہو، اس وقت تو اور بھی جوبن ہوگا۔"

اُمراؤ:۔ "خیر اب اس کی تعریف کو رہنے دیجئے۔ بالکل بے محل اور بے موقع ہے۔ معاف کیجئے گا، اگر اس وقت میرا یہی خیال تھا۔ اور یہ خیال میری جان کے لئے آفت تھا۔ میں دل ہی دل میں کہتی تھی کہ ہائے مجھ میں کیا بُرائی ہے جو میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔"

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رُسوا:- "یہ تو ممکن نہیں کہ کسی کو آپ کی طرف توجہ نہ ہو۔ نگاہیں ضرور پڑتی ہوں گی۔ مگر بات یہ ہے کہ آپ کی مِسی نہیں ہوئی تھی۔ خانم سے لوگ ڈرتے تھے اس لئے آپ سے کوئی بولتا نہ ہوگا۔"

اُمراؤ:- "شائد یہی ہو مگر مجھے اتنی تمیز کہاں تھی۔ میری تو مثال تھی، "بے دولتی اپنے تیسے ہیں آپ کھوتی"۔ اپنی ہجولیوں کو دیکھ کر بھکی جاتی تھی۔ کھانا پینا حرام، راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔

اُسی زمانے میں پھر کنگھی کرتے وقت اور بھی صدمہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ کوئی چوٹی گوندھنے والا نہ تھا۔ جب بسم اللہ کی چوٹی نواب چھبن صاحب اپنے ہاتھ سے گوندھتے تھے میرے سینے پر سانپ لوٹ جاتا تھا۔ یہاں کون تھا وہی بُوا حسینی، وہ بھی جب انھیں فرصت ہوئی، نہیں تو دن دن بھر بال کُھلے ہیں۔ سر جھاڑ مُنہ پہاڑ پھر رہی ہوں۔ آخر میں نے اپنے ہاتھ سے چوٹی گوندھنا سیکھا اور سب رنڈیاں تو دن میں تین تین جوڑے بدلتی تھیں، یہاں وہی آٹھویں پوشاک بھی بھاری نہ تھی۔ وہ لوگ کارچوبی جوڑے بدلتے تھے۔ یہاں وہی گلبدن کا پاجامہ ململ کا دوپٹہ بڑی بڑائی لچکے کی تیلی دے دی گئی۔

اس پر بھی کپڑے بدل کر میرا جی چاہتا تھا کہ مردوں میں جا کر بیٹھوں کبھی بسم اللہ کے کمرے میں چلی گئی کبھی امیر جان کے پاس، مگر جہاں جاتی تھی کسی نہ کسی بہانے سے اُٹھا دی جاتی تھی۔ ان لوگوں کو میرا بیٹھنا ناگوار تھا۔ سب کو اپنی مزے داریوں کا خیال تھا مجھے کون بیٹھنے دیتا۔

اور نہ بیٹھنے دینے کا ایک اور بھی سبب تھا کہ اُن دنوں میری طبیعت میں شرارت کسی قدر سما گئی تھی۔ جہاں بیٹھی کسی کو ٹھینگا دکھا دیا کسی کا مُنہ چڑھا دیا۔ کسی کے چٹکی لے لی۔ ہر طرح مردوں سے لگاوٹ کرتی تھی اس وجہ سے لوگ میرے بیٹھنے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

روادار نہ تھے۔

مرزا صاحب! آپ سمجھ سکتے ہیں کہ گوہر مرزا ایسے وقت اور اس حالت میں مجھے کس قدر غنیمت معلوم ہو سکتا تھا اس لئے کہ وہ مجھ سے پیار کی باتیں کرتا تھا۔ میں اس کو چھیڑتی تھی وہ مجھے چھیڑتا تھا۔ میں اس کو اپنا چاہنے والا سمجھتی تھی اور وہ بھی اُن دنوں مجھ کو چاہتا تھا۔ جب صبح مکتب میں آتا کہیں دو نارنگیاں جیب میں پڑی ہیں۔ مجھے چپکے سے دے دیں۔ کسی دن حلوا سوہن کی ٹکیہ لے آیا مجھ کو کھلا دی۔ ایک دن نہیں معلوم کہاں سے ایک روپیہ لے آیا وہ بھی مجھے حوالہ کر دیا۔ ہزاروں روپئے میں نے اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے اُٹھائے ہوں گے مگر اس ایک روپئے کے پانے کی خوشی کبھی نہ بھولوں گی۔ اس کے پہلے مجھے پیسے تو بہت ملے تھے مگر روپیہ کبھی نہیں ملا تھا۔ وہ روپیہ بہت دن تک میں نے جگو رکھا اس لئے کہ اُس کے صرف کی کوئی ضرورت مجھے نہ تھی۔ اور اگر تھی بھی تو یہ خیال تھا کہ اگر یہ صرف کرتی ہوں تو لوگ پوچھیں گے کہاں سے ملا۔ تو کیا بتاؤں گی۔ رازداری کی سمجھ مجھے بھی آگئی تھی، اور یہ سمجھ بغیر سن تمیز کو پہنچے نہیں آتی بیشک میں سن تمیز کو پہنچ چکی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۵)

ایک شاطر چور دل میرا چُرا کر لے گیا
پاسباں کمبخت سب سوتے کے سوتے رہ گئے

برسات کے دن ہیں گھٹا آسمان پر چھائی ہوئی ہے۔ پانی تل دھار اوپر دھار برس رہا ہے، بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہا ہے۔ میں بوا حسینی کی کوٹھری میں اکیلی پڑی ہوں۔ بوا حسینی، خانم کے ساتھ حیدری کے گھر گئی ہوئی ہیں چراغ گل ہوگیا ہے اور اندھیری وہ کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔

اور کمروں میں جشن ہو رہے ہیں، کہیں سے گانے کی آواز آرہی ہے، کہیں قہقہے بلند ہو رہے ہیں ایک میں ہوں کہ اس اندھیری کوٹھری میں اپنی تنہائی پر رو رہی ہوں۔ کوئی آس پاس نہیں ہے۔ دل پر جو گذر رہی ہے دل ہی جانتا ہے، جب بجلی چمکتی ہے مارے ڈر کے دُلائی سے مُنھ ڈھانپ لیتی ہوں۔ جب گرج کی آواز آتی ہے کانوں میں انگلیاں دے لیتی ہوں۔ اسی عالم میں آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں یہ معلوم ہوا کہ کسی نے زور سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میری گھگھی بندھ گئی، مُنھ سے آواز تک نہ نکلی اور آخر کار میں بے ہوش ہوگئی۔

صبح کو چور کی ڈھونڈیا ہوئی، وہ کہاں سے ملتا ہے۔ خانم مُنھ تھوتھائے بیٹھی ہیں۔ بوا حسینی بڑبڑاتی پھرتی ہیں۔ میں ٹھگ ماری سی چپکی بیٹھی ہوں سب پوچھ پوچھ کے تھک گئے مگر مجھے کچھ معلوم ہو تو بتاؤں۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رُسوا:۔ یہ نہیں کہتیں کہ اگر معلوم بھی ہوتا تو کیوں بتاؤں۔

اُمراؤ:۔ خیر اب حاشئے نہ چڑھائیے سُنے جائیے۔

خانم کی اس دن کی مایوسی اور بوا حسینی کا اُداس چہرہ جب مجھے یاد آتا ہے تو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔

رُسوا:۔" کیوں نہ آئے اُن کی تو ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں اور آپ کا مذاق ہوگیا۔

اُمراؤ:۔ اُمیدیں خاک میں مل گئیں! خانم کو آپ نہیں جانتے۔ ایک ہی لکھا بیسوا تھیں۔ اس معاملہ کو اس طرح دبا دیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا اور القیام کی وہ تدبیریں کیں کہ شاید و باید۔

اب کسی آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کی تلاش ہوئی۔ آخر ایک ہُدہُد پھنس گیا۔

اُن دنوں ملک آئین سے ایک صدر الصدور کے صاحبزادے طالب علمی کے لئے لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے۔ گھر سے خوش، والد مرحوم ان کے رشوت۔ نذرانہ کے روپے سے ایک بڑا علاقہ ان کے صرف کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ چند روز یہاں آکر اچھے رہے پھر جو لکھنؤ کی ہوا لگی، علم تماش بینی میں طاق اور فن بے غیرتی میں مشتاق ہو گئے۔ اسم شریف راشد علی تھا۔ راشد تخلص کرتے تھے، لکھنؤ کے کسی اُستاد نے مرشد بنا دیا۔ اس تخلص پر آپ کو بہت ہی فخر تھا۔

وطن سے جو ملازم ہمراہ آئے تھے وہ سب رکھن میاں کہتے تھے لکھنؤ والوں نے انھیں راجہ کا لقب دیا۔ مگر اس نام اور القاب میں کسی قدر دیہاتیت۔ آپ لکھنؤ کی وضع قطع پر مرتے تھے، اس لئے تھوڑے ہی دنوں میں نواب صاحب بن گئے۔ جب گھر سے آئے تھے تو خاصی داڑھی منہ پر تھی لکھنؤ کی ہوا لگتے ہی پہلے کتر داں ہوئی پھر

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خشخاشی، اور تھوڑے دنوں کے بعد تو بالکل صفایا ہوگیا۔

داڑھی منڈنے سے چھوٹا سا چہرہ کیسا بدنما نکل آیا۔ مگر آپ اُسے خوبصورتی سمجھتے تھے۔ سیاہ رنگ، چیچک کے داغ، بھدی سی ناک، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، گال پچکے ہوئے، تنگ پیشانی، کوتاہ گردن، ٹھنگنا سا قد، غرضکہ بہمہ صفت موصوف تھے۔ مگر آپ اپنے کو یوسف ثانی سمجھتے تھے۔ پہروں آئینہ سامنے رہتا تھا۔ مونچھیں اس قدر مروڑی گئیں کہ آخر چوہیا کی دُم ہوگئی۔ بال بڑھائے گئے۔ گھونگھر بنایا گیا۔ بکے دار ٹوپی سر پر رکھی گئی۔ اونچی چولی کا انگرکھا ڈانٹا۔ بڑے پائچوں کا پاجامہ پہنا گیا۔ یہ سب ٹھاٹھ رنڈیوں کی دربارداری کے لئے کیا گیا تھا۔

اوّل تو خود ہی طبیعت بہت رسا تھی دوسرے لائق احباب کی وساطت سے چند ہی روز کے بعد اونچے گھروں پر رسائی ہوگئی۔ رسائی کیسی بے تکلفی بڑھ گئی۔ چھٹن جان سے مادر پدر ہوتا ہے۔ بگن ٹھیسیں لگاتی ہیں حسنا نے جوتا کھینچ مارا، آپ ہیں کہ ٹھی ٹھی ہنس رہے ہیں۔ یہ سب کچھ تھا مگر نائکاؤں کا بڑا ادب کرتے تھے۔ جس رنڈی کے لئے ایک شب کے لئے بھی واسطہ ہوگیا۔ اس کی نائکا کو مجمع عام میں اماں جان کہنا اور جھک کے تسلیم کرنا عین سعادت مندی تھی۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ یاروں پر ظاہر ہو جاتا تھا کہ آپ یہاں مشرف ہو چکے ہیں۔

سرِشام سے دو تین گھڑی رات گئے تک خانم صاحب کا دربار کرتے تھے، اُن کی ہر ایک نوچی کی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔ علم موسیقی میں بھی آپ کو کمال تھا۔ ٹھمریاں خود تصنیف فرماتے۔ خود ہی دھن بنا کے گاتے تھے۔ خود ہی بھاؤ بتاتے جاتے تھے۔ اور تو جو کچھ تھا وہ تھا، منہ سے طبلہ خوب بجاتے تھے۔ یاروں نے خوب بنالیا تھا۔ آپ کے اشعار پر لوگوں نے اتنی تعریف کی کہ آپ کو فخر آتش و ناسخ بنا دیا۔ مشاعروں میں ڈریائے گئے۔ آپ سے غزل پڑھوائی تمام

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

مشاعرہ چونک گیا۔ ریختی گویوں سے پہلے آپ کا کلام پڑھا جاتا تھا۔ ہنستے ہنستے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ لوگ بناتے تھے آپ خوش ہوتے تھے، جھک جھک کر تسلیمیں کرتے تھے۔

وطن سے بے غل و غش روپیہ چلا آتا تھا۔ ان کی والدہ بیچاری اس خیال سے کہ لڑکا پڑھنے گیا ہے۔ مولوی بن کے آئے گا۔ یہ جو کچھ لکھ بھیجتے تھے، بھیج دیتی تھیں۔ لکھنؤ کے بے فکرے، خوش پوشاک، عیش پسند، مفت خورے آپ کے ہمراہ رہتے تھے۔ انھیں لوگوں کے کہنے سننے سے کچھ خیال پیدا ہوا۔ اس خیال نے ترقی کرتے کرتے اشتیاق تک نوبت پہنچائی۔ آخر کو عشق اور اس کے بعد جنون ہوگیا۔ ادھر خانم نے کھنچاؤ کیا۔ خانم کا یہ کہنا، "نا صاحب! ابھی وہ کمسن ہے"؛ اور ان کی التجا منت وزاری، بے قراری آج تک مجھے یاد ہے۔ آخر دعا تعویذ کی تاثیر اور غم خواروں کی دوا دوش سے پانچ ہزار روپے پر توڑ ہوا۔ اس روپیہ کے لینے کے لئے آپ کو چند روز کے لئے وطن جانا پڑا۔ ماں سے چھپا کے دو گاؤں آپ نے رہن کر دیئے۔ بیس پچیس ہزار روپے لے کے لکھنؤ آئے، پانچ توڑے گن دیئے۔

روپیہ عین المال دیوانجی کی معرفت خانم کے خزانۂ عامرہ میں داخل ہوا۔ بوا حسینی نے پاؤں پھیلائے۔ پانچ سو روپے نذر نیاز کے نام سے لے مریں۔ خلاصہ یہ کہ میں آپ کے سر منڈھ دی گئی۔ چھ مہینے تک آپ لکھنؤ میں رہے سو روپیہ ماہوار دیتے تھے، فرمائش کا ذکر نہیں۔ جو کچھ مجھے دیا وہ بوا حسینی کے پاس رہتا تھا۔ خانم کو اس کی خبر نہ تھی۔ اب میں گویا آزاد ہوگئی دو مہریاں دو خدمتگار میرے لئے خاص ملازم ہوئے۔ پھاٹک کے پاس والا کمرہ میرے رہنے کے لئے سجا دیا گیا۔ دو چار مرد آدمی، شریف زادے، نواب زادے میرے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پاس بھی آ کر بیٹھنے لگے۔

گلچیں اول گوہر مرزا ہر زمانے میں مجھ سے برابر ملتا رہا۔ خانم اور بُوا حُسینی اس کی صورت سے جلتی تھیں۔ مجھے محبّت تھی اس لئے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ اُدھر گوہر مرزا کے والد نے انتقال کیا۔ جو آمدنی وہاں سے تھی۔ وہ بند ہوگئی۔ بنو بڑھیا ہو چکی تھی، کوئی پوچھتا نہ تھا۔ اس لئے گوہر مرزا کے صرف کی خبر گیری میرے ذمہ تھی۔

سب رنڈیوں کا قاعدہ ہے کہ ایک نہ ایک کو اپنا بنائے رکھتی ہیں ایسے شخص سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا، ایک تو یہ کہ جب کوئی نہ ہوا تو اسی سے دل بہلایا۔ سودے سلف کا آرام رہتا ہے۔ آدمی سے منگاؤ تو کچھ نہ کچھ کھا جائے گا۔ یہ مارے خیر خواہی کے اچھی سے اچھی چیز شہر بھر سے ڈھونڈ کے لاتے ہیں۔ بیمار پڑو تو حد سے زیادہ خدمت کرتے ہیں۔ طرح طرح کے آرام دیتے ہیں۔ رات بھر پاؤں دباتے ہیں۔ صبح کو دوا بنا کے پلاتے ہیں۔ حکیم صاحب سے حال کہنے جاتے ہیں۔ دوست آشناؤں سے تعریفیں کرتے رہتے ہیں۔ چوکھٹ پھنسا کے لاتے ہیں۔ جہاں شادی بیاہ ہوا ناچ کا انتظام اپنے ذمہ لے کے مجرے میں انھیں لے جاتے ہیں۔ محفل میں بیٹھ کر اہل محفل کو متوجہ کرتے ہیں۔ وہ ناچ رہی ہے۔ یہ تال دیتے جاتے ہیں۔ ہر سم پر آہ کہتے ہیں، ہر تال پر واہ کرتے ہیں۔ وہ بھاؤ بتا رہی ہے۔ یہ شرح کرتے جاتے ہیں انھیں کی وجہ سے اچھے سے اچھا کھانے کو ملتا ہے۔ خاطر مدارات اور رنڈیوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ انعام واکرام سوا ملتا ہے۔ اگر کسی رئیس امیر سے ملاقات ہوگئی انھیں کی بدولت ان کو لطف رقابت حاصل ہوتا ہے۔ اُدھر وہ چاہتے ہیں کہ رنڈی ان کو چاہنے لگے، ادھر رنڈی جان جان کے ان کا کلمہ بھر رہی ہے۔ کبھی یہ فقرہ ہے۔ "صاحب!

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میں ان کی پابند ہوں، نہیں معلوم آپ سے کیوں کہ ملتی ہوں۔ اب ان کے آنے کا وقت ہے، مجھے جانے دیجئے۔ وہ تو ہمیشہ کے ہیں۔ آپ اس طرح کیا نباہئے گا۔"

تماشبین ان سے دبتے رہتے ہیں۔ اگر کسی سے کچھ تکرار ہوئی یہ حمایت کو مستعد۔ شہر کے بانکے ترچھوں سے ملاقات۔ بات کی بات میں پچاس ساٹھ آدمی جمع ہو سکتے ہیں۔ تماشبین ایک طرف خود نائکہ پر دباؤ رہتا ہے۔ ہر وقت یہ خوف لگا رہتا ہے۔ رنڈی ان کو پیار کرتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو ان کے گھر جا بیٹھے۔

امیر جان کاظم علی پر مرتی تھیں۔ برسوں اپنے پاس سے روپیہ دیا۔ ایک مرتبہ پانچ سو کے کپڑے اُتار کے دے دئے اور صبح کو غل مچا دیا اُتار کر لے گیا۔ ایک دن جھالے کی ایک فرد گیارہ سو کے جوڑ کی دے دی۔ اور کہہ دیا کہ عیش باغ کے میلے میں کانوں سے گر گئی۔ اسی طرح ہزاروں روپیہ کا سلوک کیا۔ گھر بھر کی روٹیاں امیر جان کی بدولت تھیں۔

خورشید پیارے صاحب پر جان دیتی تھی۔ بسم اللہ کے کوئی آشنا نہ تھا۔ طبیعت میں سفلہ پن تھا۔ کسی پر پابند نہ تھیں۔

اوروں کا ذکر کیا، خانم صاحب پچاس پچپن برس کے سن میں میر اولاد علی پر جان دیتی تھیں۔ میر صاحب کا سن اٹھارہ اُنیس برس کا تھا۔ صورت دار جوان تھے، کسرتی بدن تھا۔ اچھے اچھوں کی نگاہ پڑتی تھی۔ خانم کا رعب غالب تھا۔ کیا مجال کوئی بات کر سکے۔ بیچارے غریب آدمی تھے۔ نان شبینہ کو محتاج خانم کی بدولت سارا کنبہ پرورش پاتا تھا۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ لگا کے شادی کر دی مگر برات کی رات کے سوا میر صاحب کو کبھی شب کو گھر میں سونا نصیب نہیں ہوا۔ دن رات یہیں رہتے تھے۔ گھڑی دو گھڑی کو گھر بھی ہو آتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ایک اور میر صاحب کوئی ستر برس کا سن، کمر جھکی ہوئی، نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ خانم صاحب کے قدیم آشناؤں میں تھے، اب ان سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ مگر گھر والوں کی طرح رہتے تھے۔ صبح شام کھانا خانم کے ساتھ کھاتے تھے۔ کپڑا خانم بنوا دیتی تھیں۔ افیم، گنا، ریوڑیاں ان سب اخراجات کا بار خانم کے سر تھا۔ ایک دن ہم لوگ خانم صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں خورشید جان غم زدہ صورت بنائے بیٹھی ہیں۔

کیوں! پیارے صاحب کی شادی ہوتی ہے۔ ان پر غم سوار ہے۔ خانم نے براہ فہمائش کہا۔ "جاؤ چھو کرو۔" نہیں معلوم اس زمانہ کی محبتیں کس قسم کی ہیں۔ جیسی رنڈیاں ویسے ان کے آشنا۔ ایک ہمارا زمانہ تھا۔ دیکھو (مرزا صاحب کی طرف اشارہ کر کے) ایک یہی مرد آدمی بیٹھے ہیں۔ جوانی میں مجھ سے آشنائی ہوئی، ماں باپوں نے شادی ٹھہرائی، آپ مانجھے کا جوڑا پہن کر مجھے دکھانے آئے، میں نے مانجھے کے جوڑے کے پرزے پرزے کر دئے ہاتھ پکڑ کے بیٹھ گئی کہ میں تو نہ جانے دوں گی۔ اس کو چالیس برس کا زمانہ گزرا، آج تک تو گھر نہیں گئے۔ کہو ہے کوئی ایسا تمھارا بھی؟ سب نے سر جھکا لیا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۶)

یوں تو بسم اللہ کی مسی میں میں پہلے پہل ناچی گائی تھی، مگر پہلا مجرا میرا نواب شجاعت علی خاں کے لڑکے کی شادی میں ہوا تھا۔ وہ محفل بھی یادگار تھی۔ نواب کی بارہ دری کس شان سے سجائی گئی تھی۔ بیش قیمت شیشہ آلات کی روشنی سے رات کو دن ہو گیا۔ صاف ستھرا فرش، ایرانی قالین، زربفت کے مسند تکیے، سامنے رنگ رنگ کے مردنگوں کی قطار روشن۔

عطر اور پھولوں کی خوشبو سے تمام بارہ دری بسی ہوئی تھی۔ دھواں دھار حقوں کی خوشبو، گلوریوں کی مہک سے دماغ معطر تھے میرا سن کوئی چودہ برس کا تھا۔ اس زمانے میں بڑودے سے ایک بائی جی آئی ہوئی تھی تمام شہر میں ان کے گاؤں کی دھوم تھی۔ بڑے بڑے گوئیے کان پکڑتے تھے۔ معلومات ایسی کہ پوتھیاں گویا نوک زباں تھی۔ گلا وہ کہ چار محلے اُدھر آواز جائے۔ مگر واہ خانم صاحب واقعی کیا رنگ دیکھتی تھیں ان کے بعد مجھ کو کھڑا کر دیا۔ مجھے تو کیا تمیز تھی۔ مگر سمجھ دار لوگ حیران تھے کہ خانم صاحب کیا کرتی ہیں۔ بھلا بائی جی کے سامنے اس چھوکری کا رنگ جمے گا؟

پہلے گت شروع ہوئی۔ اس میں کچھ محفل میری طرف مخاطب ہوئی میری بھی اُٹھتی جوانی تھی، صورت اچھی نہ تھی، مگر اس وقت بھرتی چالاکی الھڑپن سے

کچھ نہ پوچھو شباب کا عالم   کیا کہوں کیا عجب زمانہ تھا

گت تھوڑی ہی دیر ناچی ہوں گی کہ خانم نے یہ غزل شروع کرا دی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آج اس بزم میں وہ جلوہ نما ہوتا ہے
دیکھئے دیکھئے اِک آن میں کیا ہوتا ہے

اس غزل سے شروع کرنے کے ساتھ ہی محفل تہ و بالا ہوگئی۔ اس کے بعد دوسرا مطلع اک ذرا بنا کے جو گایا، اہلِ محفل جھومنے لگے۔ ؎

نالہ رُکتا ہے تو سرگرمِ جفا ہوتا ہے
درد رُکتا ہے تو بے درد خفا ہوتا ہے

اور اس شعر نے تو قیامت ہی برپا کر دی۔ ؎

پھر نظر جھپتی ہے اور آنکھ جھکی جاتی ہے
دیکھئے دیکھئے پھر تیر خطا ہوتا ہے

اس شعر کا یہ حال تھا کہ جس سے نظر ملا کے گایا نظر نہ اُٹھا سکا۔

بُت پرستی میں نہ ہوگا کوئی مجھ سا بدنام
جھینپتا ہوں جو کہیں ذکر خُدا ہوتا ہے

ذرا اس شعر کو سُنئے اور قیاس کیجئے عاشق مزاجوں پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا ؎

عشق میں حسرتِ دل کا تو نکلنا کیسا دم نکلنے میں بھی کمبخت مزا ہوتا ہے

پھر اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔ ؎

حالِ دل ان سے نہ کہنا تھا ہمیں چوک گئے
اب کوئی بات بنائیں بھی تو کیا ہوتا ہے

تمام محفل پر وجد کا عالم طاری تھا۔ ہر شخص محظوظ تھا ہر لفظ پر واہ، ہر سم پر اہا ہا ہا۔ ایک ایک شعر آٹھ دس مرتبہ گوایا گیا۔ پھر بھی سیری نہیں ہوتی تھی۔ اسی غزل پر میرا مجرا موقوف ہوا۔ دوسرے مجرے میں پھر یہی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

گوائی گئی۔

مرزا رُسوا۔ وہ خیر محفل کا جو حال ہوا ہو از برائے خدا اور جس قدر شعر اس غزل کے یاد ہوں سُنا دیجئے۔ یہ کس کی غزل ہے؟

اُمراؤ۔ اُدئی کیا آپ نہیں جانتے؟

رُسوا۔ میں سمجھا۔

اُمراؤ۔ اور شعر سُنئے۔ ے

تالب گور بہنچ جاتے ہیں مرنے والے
وہ بھی اس وقت کہ جب شوق رسا ہوتا ہے

رُسوا۔ سبحان اللہ۔

اُمراؤ۔ واقعی قلم توڑ دیا ہے۔ ے

آہ میں کچھ بھی اثر ہو تو شرربار کہوں
ورنہ شعلہ بھی حقیقت میں ہوا ہوتا ہے

رُسوا۔ یہ فلسفہ ہے اسے وہی خوب سمجھتے ہیں۔

اُمراؤ۔ اور سُنئے۔ ے

کس قدر معتقدِ حسن مکافات ہوں میں
دل میں خوش ہوتا ہوں جب رنج سوا ہوتا ہے

رُسوا۔ یہ بھی فلسفہ ہے اسے وہی خوب سمجھتے ہیں۔

اُمراؤ۔ اور سُنئے۔

شوقِ اظہار اگر ہے تو مرے دل کو نہ توڑ
اسی آئینہ میں تو جلوہ نما ہوتا ہے

رُسوا۔ یہ تصوف ہے۔ ہم دُنیا کے لوگ ہیں ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں مگر

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

"شوقِ اظہار" یہ لفظیں کیوں کر مل جایا کرتی ہیں۔

اُمراؤ۔ مقطع سُنئے۔ ؎

ہجر میں نالۂ و فریاد سے باز آ ......

ایسی باتوں سے وہ بیدرد خفا ہوتا ہے

رُسوا۔ مطلع سے مقطع نکالا ہے۔ مقطع کہنے کی فرصت نہ ملی ہو گی۔

اُمراؤ۔ فرصت انھیں کب ملتی ہے۔

پہلے مجرے کے دوسرے دن بوا حسینی میرے کمرے میں آئیں ایک خدمت گار ان کے ساتھ تھا۔

بوا حسینی۔ دیکھو امراؤ صاحب یہ کیا کہتا ہے۔

اتنا کہہ کے بوا حسینی کمرے کے باہر چلی گئیں۔

خدمت گار۔ (سلام کرکے) مجھے نواب سلطان صاحب نے بھیجا ہے۔ جو کل شب کو محفل میں زرد مندیل سر پر رکھے دولھا کے داہنی طرف بیٹھے تھے، اور فرمایا ہے کہ میں کسی وقت آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں، بشرطیکہ جس وقت میں آؤں اس وقت کوئی اور نہ ہو، اور اس غزل کی نقل مانگی ہے جو آپ نے کل گائی تھی۔

میں۔ نواب صاحب سے میری تسلیمات کہنا اور کہنا شام کو جب چاہے تشریف لائیے۔ تخلیہ ہو جائے گا۔ غزل کے لئے کل دن کو کسی وقت آنا لکھ دوں گی۔

دوسرے دن پھر دن چڑھے خدمت گار آیا۔ میں کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ غزل کی نقل میں نے کر رکھی تھی۔ اس کے حوالے کی۔ اس نے پانچ اشرفیاں کمر سے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نکال کے مجھے دیں اور کہا کہ نواب صاحب نے کہا ہے کہ آپ کے لائق تو نہیں مگر خیر پان کھانے کے لئے میری طرف سے قبول کیجئے۔ آج شب کو چراغ جلنے کے بعد میں ضرور آؤں گا۔ خدمت گار سلام کر کے رخصت ہوا۔ اس کے جانے کے بعد پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ بوا حسینی کو بلا کے یہ اشرفیاں دے دوں وہ خانم کے حوالے کریں۔ پھر ایک دفعہ اشرفیوں کی طرف جو دیکھا چمکتی چمکتی نئے گھن کی اشرفیاں بھلا میرے دل سے کب نکلتی تھیں۔ اس وقت صندوقچہ وندوقچہ تو میرے پاس نہ تھا پلنگ کے پائے کے نیچے دبا دیں۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۹)

مرزا رسوا صاحب۔ میرے نزدیک ہر عورت کی زندگی میں ایک وہ زمانہ آتا ہے جب وہ چاہتی ہے کہ اُسے کوئی چاہے۔ یہ نہ سمجھیے گا کہ یہ خواہش چند روزہ ہوتی ہے بلکہ عنفوان شباب سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اور سن کے ساتھ ہی اس کا نشو و نما ہوتا ہے۔ جس قدر سن بڑھتا جاتا ہے اسی قدر خواہش بڑھتی رہتی ہے۔

گوہر مرزا بے شک میرا چاہنے والا موجود تھا مگر اس کی چاہت اور قسم کی تھی۔ اس کی چاہت میں ایک بات کی کمی تھی۔ جسے میرا دل ڈھونڈھتا تھا۔ مردانہ ہمت کو اس کی طینت میں لگاؤ نہ تھا۔ ماں کا ڈومنی پنا اس کے خمیر میں شامل تھا۔ وہ جو کچھ پاتا تھا مجھ سے چھین جھپٹ کے لے لیتا تھا خود ایک روپے کے سوا جس کو میں کہہ چکی ہوں کبھی کچھ نہیں دیا۔ اب میرا دل ایسا عاشق ڈھونڈھتا تھا جو میری ناز برداری کرے، روپیہ خرچ کھلائے پلائے۔ نواب سلطان صاحب (نواب صاحب کا یہی نام آدمی نے بتایا تھا) صورت شکل کے اچھے تھے۔ ان کے چہرے پر اس قسم کا رُعب تھا جس پر عورت ہزار دل سے فریفتہ ہو جاتی تھی۔ بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ عورت کو صرف خوشامد اور اظہار عشق پسند ہے، بیشک پسند ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں ذرا بھی کمینہ پن نہ ہو۔ جو لوگ رنڈیوں کا گھنا تاکتے ہوئے آتے ہیں جن کے ہر کنائے سے یہ مُدعا نکلتا ہے کہ ہمیں چاہو، خُدا کے لئے چاہو، چاہو اور ہمارے گھر پڑ جاؤ جو کچھ کہ تمھارے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پاس ہے ہمیں دے دو اور ہمارے گھر کی ماماگیری کرو روٹیاں پکا پکا کے کھلاؤ، ہمارے اور ہمارے بال بچوں کی جوتیاں سیدھی کرو۔ ہر شخص کا حُسن حضرت یوسف کا معجزہ نہیں ہے کہ ہر ایک عورت اس پر جان دینے لگے۔ مرد عورت سے اور عورت مرد سے محبت کرتے ہیں۔ مگر اس محبت میں اکثر اغراض ذاتی کا بھی لحاظ رکھنا ہے۔ بے غرض محبت جیسے لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، یہ صرف قصّے کہانیوں میں سُنی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک طرفہ محبّت نہیں ہوتی۔ ہم نے اسے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر اس کو خالی دماغ سمجھنا چاہئے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ مرد عورت دونوں دیوانے ہوں۔

دوسرے دن شب کو نواب صاحب تشریف لائے بوا حسینی سے معمولی گفتگو کے بعد تعین اخراجات ہو کر کمرے میں تخلیہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ملازم نہیں رکھا۔ صرف یہ طے ہوا ہے کہ کبھی کبھی رات کو گھڑی دو گھڑی کے لئے آیا کریں گے۔ نواب صاحب بہت ہی کم سخن بھولے بھالے آدمی تھے۔ سن اٹھارہ اُنیس برس کا تھا۔ بسم اللہ کے گنبد میں پرورش پائی تھی۔ ماں باپ کے دباؤ میں تھے۔ دُنیا کے جعل فریب سے آگاہ نہ تھے۔ اظہار تعشق خدمت گار کی زبانی ہو چکا تھا۔ ورنہ نواب صاحب کو اس میں بھی کسی قدر مشکل ہوتی، مگر میں نے تھوڑی دیر میں بے تکلف بنا لیا تھا۔

بہت سی لگاوٹ کی باتیں کیں، بالکل عاشق زار بن گئی۔ اس میں کچھ سچ تھا کچھ جھوٹ۔ سچ تو اس لئے کہ نواب صاحب کی صورت ایسی نہ تھی کہ ایک عورت خواہ وہ کیسی ہی سخت دل کیوں نہ ہو ان پر مائل نہ ہو جائے، گوری گوری رنگت جیسے گلاب کا پھول، ستواں ناک، پتلے پتلے ہونٹ خوبصورت بتیسی، گھونگھر والے بال، کتابی چہرہ، اونچا ماتھا، بڑی بڑی آنکھیں، بھرے بھرے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بازو، مچھلیاں پڑی ہوئی، چوڑی کلائیاں، بلند بالا کسرتی بدن، خدا نے سر سے لے کر پاؤں تک تمام بدن نور کے سانچے میں ڈھالا تھا۔ اس پر بھولی بھالی باتیں، بات بات پر عاشقانہ شعر جن میں اکثر انھیں کی تصنیف، شعر پڑھنے میں ہواؤ ٹوٹا ہوا تھا۔ خاندانی شاعر تھے، مشاعروں میں اپنے والد کے ساتھ غزل پڑھتے تھے۔

شاعروں کو کیسا ہی عاشقانہ شعر ہو کسی کے سامنے پڑھتے ہوئے جھینپ نہیں ہوتی۔ خود بزرگ کے سامنے اور بزرگ خورد کے سامنے چاہے اور قسم کی گفتگو نہ کر سکتے ہوں مگر شعر پڑھنے میں تکلف نہیں ہوتا۔ شعر بھی ایسے کہ نثر میں ان کا مطلب ادا کیا جائے تو منہ سے کہتے نہ بنے۔ غرض کہ اس شب کو بڑے مزے کی صحبت رہی۔

نواب۔ آپ کی اداؤں نے تو مجھے ایسا فریفتہ کر لیا کہ بغیر آپ کے دیکھے مجھے چین ہی نہیں آتا۔

میں۔ یہ سب آپ کی قدر دانی ہے ورنہ میں کیا اور میری حقیقت کیا۔

"ایاز قدر خود بشناس :. من آنم کہ من دانم۔"

نواب۔ اوہو! آپ تو خواندہ معلوم ہوتی ہیں!

میں۔ "جی ہاں، کچھ شد بُد پڑھا تو ہے۔

نواب۔ اور لکھنا بھی جانتی ہو؟

میں۔ جی ہاں، لکھ بھی لیتی ہوں۔

نواب۔ تو وہ غزل آپ ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے؟

(میں مسکرا کے چُپ ہو رہی)

نواب۔ واللہ کتنا پیارا خط ہے۔ اس بات سے تو بہت ہی جی خوش ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خدمت گاروں سے دل کا حال کہتے نہیں بنتا۔ اب زبان قلم سے گفتگو ہوا کرے گی۔
ہم تو ایسا چاہتے ہی تھے۔ جہاں تک ہو سکے ایسے معاملے میں غیر کی وساطت نہ ہو۔

نہ غیروں کی وساطت ہو نہ یاروں کی شماتت ہو
جو ہیں آپس کی باتیں رازدار اُن کے ہمیں تم ہوں

میں۔ یہ آپ ہی کا شعر ہے؟
نواب۔ جی نہیں، والد مرحوم نے فرمایا تھا۔
میں۔ کیا خوب فرمایا ہے۔
نواب۔ ماشاءاللہ آپ کو شاعری کا مذاق بھی ہے۔

اچھی صورت جو خُدا دے تو یہ اوصاف بھی دے
حُسن تقریر بھی ہو خوبیٔ تحریر بھی ہو

میں۔ کس کا شعر ہے؟
نواب۔ انھیں کا۔
میں۔ کیا خوب فرمایا ہے۔
نواب۔ جی ہاں وہ ایسا ہی فرماتے تھے مگر واللہ آپ کی شان کے لائق ہے۔
میں۔ یہ فقط آپ کی عنایت ہے
ورنہ میں کیا مری حقیقت کیا
نواب۔ واہ کیا صاف صاف شعر ہے۔
میں۔ تسلیم۔
نواب۔ یہ کہیئے آپ شعر بھی کہتی ہیں۔
میں۔ جی نہیں آپ ایسے قدر دانوں سے کہلوا لیتی ہوں۔
اس بات پر پہلے تو نواب صاحب اک ذرا چیں بجبیں ہوئے پھر مجھے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

مسکراتے ہوئے دیکھ کر ہنس پڑے۔

نواب۔ خوب کہی جی ہاں اکثر رنڈیوں کا یہ وطیرہ ہے کہ یاروں سے کہوا کے اپنے نام سے پڑھا کرتی ہیں۔

میں۔ آپ رنڈیوں کو ایسا نہ کہئے کیا مرد ایسا نہیں کرتے؟

نواب۔ واللہ سچ ہے مرزا اکثر مرحوم کے دوستوں میں اکثر ایسے صاحب ہیں جنھوں نے کبھی ایک مصرع نہیں کہا، اور ہر مشاعرے میں غزل پڑھنے کو مستعد۔ اکثر والد ہی کہدیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ میری غزل میں شعر زائد ہوئے چھانٹ دئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں لطف ہی کیا ہے۔ والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے حضرت استاد کے بنائے ہوئے شعر بھی دیوان سے نکال ڈالے۔ جھوٹی تعریفوں سے دل کو کیا خوشی ہوتی ہوگی۔

میں۔ خدا جانے! یہ بھی ایک ہوس ہے اور بری ہوس۔

نواب۔ اچھا تو اس غزل کا اور کوئی شعر یاد ہے تو پڑھئے۔

میں۔ فرض ہے ضبط نالہ و فریاد
جس سے ناخوش ہو تم وہ عادت کیا

نواب۔ کیا شعر پڑھا ہے پھر پڑھئے گا واللہ کیا نئی بات کہی ہے۔

میں۔ (دوبارہ شعر پڑھ کے) تسلیم۔ آپ قدر دانی کرتے ہیں۔

نواب۔ شعر ہی اچھا ہے اور کوئی شعر پڑھئے۔

میں۔ اس طرح میں میری غزل نہیں یہ دو شعر ابھی کہے ہیں۔

نواب۔ یہ اور طرہ ہوا۔ فی البدیہہ اور ایسے شعر۔ اچھا اور کسی غزل کے شعر پڑھئے۔

میں۔ اب آپ ارشاد کیجئے۔ اسی لئے میں نے سبقت کی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نواب۔ میں پڑھے دیتا ہوں، مگر آپ کو غزل پڑھنا ہوگی۔

اتنے میں کمرے کا دروازہ دھڑاک سے کھلا اور ایک صاحب پچاس پچپن برس کا سن، سیاہ رنگت، بڑی داڑھی، ترچھی پگڑی باندھے، کمر بندھی ہوئی کٹار لگی ہوئی، کمرے کے اندر گھس آئے اور آتے ہی نہایت بے تکلفی سے میرا زانو دبا کے بیٹھ گئے۔ نواب صاحب نے میری طرف دیکھا میں نے سر جھکا لیا۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ کہاں تو نواب صاحب سے یہ اقرار تھا کہ بالکل تخلیہ ہوگا، کمرے میں کوئی نہ ہوگا۔ کس مزے کی گفتگو کیا ستھرا مذاق تھا، کیا راز و نیاز ہو رہا تھا، کہاں یہ بلائے مہیب نازل ہوئی۔ سنگ آمد و سخت۔

ہائے کیا مزے کی صحبت تھی۔ اس کمبخت نے کیسا مزے میں خلل ڈالا نواب ابھی غزل پڑھنے کو تھے اس کے بعد میں کچھ کہتی۔ نواب تعریفیں کرتے کیا دل خوش ہوتا۔ آج ہی تو ایسا ایک قدر دان ملا تھا۔ جسے مدتوں سے میرا دل ڈھونڈھتا تھا اور آج ہی اس آفت کا سامنا ہوا۔ خدا اس موئے کو جلدی یہاں سے اڑائے۔ یہ خیالات میرے دل میں تھے اور وہ خون خوار صورت آنکھوں کے سامنے تھی جس کی طرف دیکھنے سے میرا دل لرز جاتا تھا۔ یہ تو میری جان کو گویا دلاور خاں ہوگیا۔ مجھے بار بار اندیشہ تھا کہ کٹار جو اس کی کمر میں ہے یا میرے کلیجے کے پار ہوگی یا خدانخواستہ نواب کو کچھ گزند پہنچائے گی۔ دل ہی دل میں کوستی تھی۔ خدا غارت کرے موا کہاں سے اس وقت آ گیا۔

آخر مجھ سے اور تو کچھ نہ بن پڑا بوا حسینی کو آواز دی۔ انھوں نے آکے یہ ماجرا دیکھا۔ سمجھ گئیں۔ بوا حسینی کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ ان صاحب کو کچھ جانتی بھی تھیں۔

بوا حسینی۔ خاں صاحب! مجھے کچھ آپ سے عرض کرنا ہے۔ ادھر

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تشریف لائیے۔

خاں صاحب۔ جو کچھ کہنا ہے وہیں سے کہو۔ ہم لوگ کہیں بیٹھ کے اُٹھتے ہیں۔

بوا حسینی۔ تو خاں صاحب! کوئی زبردستی ہے۔

خاں صاحب۔ اس میں زبردستی کیا۔ رنڈیوں کے مکان پر کسی کا اجارہ نہیں اور اگر زبردستی ہی سہی۔ ہم تو نہیں اُٹھنے کے۔ دیکھیں تو ہمیں کون اُٹھا دیتا ہے۔

بوا حسینی۔ اجارہ کیوں نہیں۔ جو زرِ خرچ گارنٹی اسی کی ہے پھر اور کوئی اس وقت نہیں آسکتا۔

خاں صاحب۔ تو زرِ خرچنے کو ہم نابر ہیں۔

بوا حسینی۔ اچھا اس وقت اس کا کوئی موقع نہیں اور کسی وقت تشریف لائیے گا۔

خاں صاحب۔ عورت کچھ واہی ہوئی ہے۔ کہدیا ہم نہیں اُٹھیں گے میں نے دیکھا کہ نواب کا چہرہ مارے غصّے کے سُرخ ہو گیا۔ مگر ابھی تک چپکے بیٹھے رہے۔ کچھ مُنہ سے نہیں بولتے۔

بوا حسینی۔ بیٹی! اچھا تو اُٹھ کے ادھر چلی آ۔ نواب صاحب آپ کے آرام کا وقت ہے۔ کوٹھے پر تشریف لے جائیے۔

میں نے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو اس نگوڑ مارے نے زور سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب کیا کروں۔

نواب۔ خاں صاحب رنڈی کا ہاتھ چھوڑ دیجئے اسی میں خیریت ہے۔ آپ بہت کچھ زیادتیاں کر چکے ہیں میں خاموش بیٹھا رہا۔ صرف اس خیال

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سے کہ رنڈی کے مکان پر تھتک کرنا اچھا نہیں مگر اب .....

خاں صاحب ۔ مگر اب تم کیا کر سکتے ہو دیکھیں تو کون ..... رنڈی کا ہاتھ چھڑا لیتا ہے ۔

میں ۔ (زور سے ہاتھ جھٹک کر) اچھا تو ہاتھ چھوڑ دیجئے ۔ میں کہیں جاتی نہیں (واقعی میں نواب کو چھوڑ کر ہرگز نہ جاتی) ۔

(خاں صاحب نے ہاتھ چھوڑ دیا)

نواب ۔ میں کہے دیتا ہوں کہ ذرا زبان سنبھال کے گفتگو کیجئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شریفوں کی صحبت نہیں اٹھائی ۔

خاں صاحب ۔ خیر تم نے تو شریفوں کی صحبت اٹھائی ہے ۔ جو کچھ ہو سکے کر لو ۔

نواب ۔ یہ تو معلوم ہوا کہ آپ لڑنے پر آمادہ ہیں ۔ مگر رنڈی کا مکان کوئی اکھاڑہ نہیں ہے نہ میدان ۔ بہتر ہے کہ اس کو کسی اور وقت پر موقوف رکھئے اور اب تشریف لے جائیے نہیں تو .....

خاں صاحب ۔ نہیں تو تم مجھے گھول کے پی جاؤ گے ۔ تشریف لے جائیے، یہ ایک ہی کہی، تمھیں نہیں چلے جاتے ۔

نواب ۔ خاں صاحب! جناب امیر کی قسم میں بہت طرح دے رہا ہوں اس لئے کہ مجھے کسی قدر اپنی عزت کا خیال ہے ۔ والدین، عزیز، دوست جو سنے گا نام رکھے گا ورنہ آپ کو ابھی ان گستاخیوں کا مزا چکھا دیتا ۔ پھر میں آپ سے کہتا ہوں کہ بے فائدہ حجت نہ کیجئے ۔ تشریف لے جائیے ۔

خاں صاحب ۔ رنڈی کے گھر پر تو آتے ہو اور اماں جان سے ڈرتے ہو ۔ گستاخیاں کیسی، تمھارے باپ کا نوکر ہوں ۔ تم اپنے گھر کے رئیس زادے ہو ۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تو ہوا کرو۔ رنڈی کے مکان پر تم بھی بیٹھے ہو ہم بھی بیٹھے ہیں جب ہمارا جی چاہے گا جائیں گے۔ تم خود بیکار محبت کرتے ہو کسی کو اُٹھاتے نہیں دیکھا۔

نواب۔ اُٹھا دینا کوئی مشکل نہیں۔ خدمتگاروں کو آواز دیتا ہوں تو آپ کی گردن میں ابھی ہاتھ دے کے نکالے دیتے ہیں۔

خاں صاحب۔ خدمت گاروں کے بل پر نہ پھولنا۔ یہ کٹار بھی دیکھا ہے۔

نواب۔ ایسے بہت کٹار دیکھے، جو وقت پر کام آوے وہ کٹار ہے۔ آپ کی کٹار میان سے نکلتی رہے گی۔ یہاں تو ابھی آپ کی گردن ناپ دی جائے گی۔ پھر دیکھا جائے گا۔

خاں صاحب۔ لے اب تمھیں گھر کو چلے جاؤ اماں جان یاد کرتی ہونگی۔

میں دیکھ رہی تھی کہ نواب کا چہرہ بالکل متغیر ہو گیا ہے، مارے غصے کے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ مگر واہ ری شرافت اس پاجی نے کس قدر سخت سست کہا۔ مگر یہ آپ ہی آپ کرکے بات کر رہے ہیں اس سے مجھے پہلے تو یہ خیال تھا کہ نواب ڈر گئے۔ مگر یہ خیال میرا غلط نکلا واقعی نواب کو اپنی عزت کا خیال تھا۔ اسی لئے طرح دے رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ معاملہ سہولت سے رفع دفع ہو جائے مگر اس پاجی کی بدزبانی بڑھتی جاتی تھی۔ جس قدر نواب طرح دیتے تھے وہ اور شیر ہوتا جاتا تھا۔ آخر نواب نے کہا۔

نواب۔ اچھا اُٹھئے خاں صاحب! ہم آپ دونوں یہاں سے چلے چلیں۔ عیش باغ میں چل کے ہمارے آپ کے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔

خاں صاحب۔ (قہقہہ مار کے) صاحبزادے! ابھی تم خود منہ پر جوتے کے لائق ہو اور مردوں سے خانہ جنگی کرنے کا حوصلہ۔ کہیں کوئی دیر کا کھا جاؤ گے تو

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

امّاں جان روتی پھریں گی۔

نواب۔ مردود! اب تیری بد زبانیاں حد کو پہنچ گئی ہیں۔ دیکھ اب تجھے تیری گستاخی کی سزا دیتا ہوں۔

یہ کہتے ہی کہتے نواب نے دولائی کے اندر سے ہاتھ نکالا۔ ہاتھ میں طمنچہ تھا، دن سے داغ دیا۔ خاں صاحب دھم سے گر پڑے۔ میں سن سے ہو گئی۔ فرش پر خون ہی خون نظر آتا تھا۔ بوا حسینی جہاں گھسی تھیں۔ کھڑی رہ گئیں۔ طمنچہ کی آواز سن کے خانم صاحب، مرزا صاحب، میر صاحب، خورشید، امیر جان، بسم اللہ جان، خدمت گار، مہربان، تو، یہ سب دوڑے آئے۔ میرے کمرے میں بھیڑ ہو گئی۔ سب اپنی اپنی کہنے لگے۔ اتنے میں شمشیر خاں (ایک ادھیڑ سا آدمی نواب صاحب کا ملازم) نے لپک کے نواب کے ہاتھ سے طمنچہ لیا اور کہا۔ "لے حضرت اب گھر تشریف لے جائیں۔ میں سمجھ لوں گا۔"

نواب۔ میں نہیں جاتا۔ اب جو کچھ ہوا ہوا اور جو کچھ ہونا ہوگا ہو جائیگا۔

شمشیر خاں۔ (کمر سے چھری نکال کے) جناب امیر علیہ السلام کی قسم ابھی اپنے کلیجہ میں مار لوں گا۔ نہیں تو برائے خدا آپ چلے جائیے آپ کا یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں ہے۔

اتنے میں لوگوں نے دیکھا، خاں صاحب کے گولی کہاں لگی ہے معلوم ہوا کہ جان کی خیریت ہے۔ بازو میں گولی لگی تھی۔

شمشیر خاں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ حضور تشریف لے جائیں۔ اس مردود کا ہوا ہی کیا ہے۔ آپ کیوں بدنام ہوتے ہیں۔

بارے نواب صاحب بھی کچھ سمجھ کے اٹھے۔ ایک آدمی ہمارے یہاں سے ساتھ کیا گیا۔ گھر تشریف لے گئے۔ خانم نے اسی وقت مرزا علی بیگ کو بلوا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بھیجا۔ وہ چوک ہی میں تھے فوراً چلے آئے۔ خانم نے علیحدہ لے جاکر نہیں معلوم کیا کان میں پھونکا۔ وہاں سے توبہ کہتے ہوئے۔

مرزا۔ ہوگا پھینک دو مردود کو کمرے کے نیچے سمجھ لیا جائے گا۔

خیر! خاں صاحب کو کمرے کے نیچے تو نہیں پھینکا گیا۔ بازو پر پٹی باندھی ڈولی بلوائی گئی۔ خاں صاحب کو بھی کسی قدر ہوش آگیا تھا۔ مکان کا پتہ پوچھا معلوم ہوا۔ مرغ خانہ میں رہتے ہیں۔ ڈولی پر بٹھا کے ان کے گھر بھجوا دیا۔ کہاروں کو سمجھا دیا تھا کہ مکان کے قریب کہیں اُتار کے چلے آنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سلطان صاحب کئی دن تک نہیں آئے۔ نہ ان کا آدمی آیا۔ مجھے ان سے محبت سی ہوگئی تھی۔ یقین تھا کہ وہ اب نہیں آئیں گے اور واقعی ایسا تھا بھی۔ وضعدار آدمی تھے۔ پہلے ہی جب وہ آئے تھے آدمی کی زبانی بیشتر بہت تاکید تخلیئے کے لئے کر دی تھی۔ بوا حسینی نے اقرار کر لیا تھا۔ کہ کوئی نہ آنے پائے گا' مگر اتنی چوک ہوگئی کہ دروازے پر کسی کو نہ بٹھا دیا خاں صاحب از غیبی ڈھیلا خُدا جانے کہاں سے آن پڑے۔ سارا کھیل بگڑ گیا۔ اتفاق سے پانچ چار دن کے بعد ایک برات میں میرا مجرا آگیا تھا وہاں سلطان صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ میرا پہلا مجرا رات کو نو بجے شروع ہوا تھا۔ محفل میں بات کرنا کیسا اشارے کنائے کا بھی موقع نہ تھا۔ ایک لڑکا گورا گورا کوئی نو برس کا سن بھاری کپڑے پہنے سلطان صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ کسی ضرورت سے اُٹھا۔ میرا مجرا ہو چکا تھا۔ علیحدہ کمرے میں پیشواز اُتار رہی تھی۔ میں نے اشارے سے بلایا' پاس بٹھایا' ایک پان لگا کے دیا' پوچھا۔

میں۔ سلطان صاحب کو جانتے ہو؟

لڑکا۔ کون سلطان صاحب؟

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میں۔ وہ جو دولھا کے برابر تمھارے پاس بیٹھے تھے۔

لڑکا۔ (تیوری چڑھا کے) واہ وہ ہمارے بڑے بھائی ہیں انھیں ذرا سلطان صاحب نہ کہنا۔

میں۔ اچھا تو ہم کچھ دیں انھیں دے دو گے؟

لڑکا۔ کہیں مجھ پہ خفا نہ ہوں۔

میں۔ خفا نہیں ہوں گے۔

لڑکا۔ اور دوگی کیا پان؟

میں۔ پان نہیں۔ پان تو ان کے خاصدان میں ہوں گے۔ اے لو یہ کاغذ دے دینا۔ ایک پرچہ کاغذ کا کمرے میں فرش پر پڑا تھا۔ میں نے اس پر کوئلے سے یہ شعر لکھ دیا۔

مدتوں سے ہم ہیں محروم عتاب
بزم میں آج ان کو چھیڑا چاہیے

اور سمجھا دیا کہ یہ کاغذ ان کی آنکھ بچا کے سامنے رکھ دینا۔ ان کو معلوم بھی نہ ہو گا۔ لڑکے نے ایسا ہی کیا۔ میں کمرے کی پٹ کی آڑ سے جھانک رہی تھی سلطان صاحب نے وہ کاغذ اُٹھایا۔ پڑھا تو پہلے چہرے پر کچھ فکر کے آثار ظاہر ہوئے پھر تھوڑی دیر تک پرچے کو غور سے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد مسکرا کے جیب میں رکھ لیا۔

شمشیر خاں کو اشارے سے بلایا۔ اس کے کان میں کچھ چپکے سے کہا۔ کوئی گھنٹہ کے بعد شمشیر خاں ہمارے پاس کمرے میں آیا۔

شمشیر خاں۔ نواب صاحب نے کہا ہے کہ اس پرچے کا جواب ہم گھر پر جا کر لکھ بھیجیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دوسرا مجرا صبح کو ہوا تھا۔ اس وقت سلطان صاحب محفل میں نہ تھے ان کے بغیر محفل مجھے سونی معلوم ہوتی تھی۔ گانے میں دل نہ لگتا تھا۔ آخر جوں توں مجرا ختم ہوا۔ میں گھر پر آئی۔ اُس دن، دن بھر شمشیر خاں کا انتظار رہا۔ بارے چراغ جلنے کے بعد وہ آیا۔ نواب کا رقعہ دیا۔ مضمون یہ تھا۔

"تمہارے شعر نے اس آگ کو جو میرے دل میں دبی ہوئی تھی کرید کر بھڑکا دیا۔ واقعی مجھے تم سے محبت ہے، مگر اپنی وضع سے مجبور ہوں۔ تمہارے مکان پر اب ہرگز نہ آؤں گا۔ میرے ایک بے تکلف دوست نواز گنج میں رہتے ہیں، کل میں تمھیں وہاں بلوا بھیجوں گا۔ بشرط فرصت چلی آنا۔ یہی ایک صورت ملنے کی ہے وہ بھی نو دس بجے رات تک

شب وصال کی کوتاہیوں کا شکوہ کیا
یہاں تو ایک نظر دیکھنے کے لالے ہیں

سلطان صاحب اس دن سے کبھی خانم کے مکان پر نہیں آئے۔ ہفتہ میں دو تین مرتبہ نواز گنج میں نواب بنے صاحب کے مکان پر بلوا بھیجتے تھے عجب لطف کی صحبت رہتی تھی۔ کبھی شعر و سخن کا چرچا ہوا، کبھی نواب بنے صاحب طبلہ بجانے لگے۔ میں گانے لگی۔ سلطان صاحب خود بھی گاتے تھے۔ تال سم سے تو کچھ ایسے واقف نہ تھے مگر اپنی غزل آپ خوب گا لیتے تھے۔

کچھ اس طرح سے نظر بازیوں کی مشق بڑھی
میں اُن کو اور وہ میری نظر کو دیکھتے ہیں

جب یاد آتا ہے اس جلسہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ گرمیوں کے دن، شب ماہتاب کا عالم، صحن باغ میں تختوں کے چوکے پر سفید چاندنی کا فرش ہے گاؤ تکئے لگے ہوئے، سامان عیش و نشاط مہیا۔ باغ میں طرح طرح کے پھول کھلے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہوئے۔ بیلے چنبیلی کی مہک سے دماغ معطر، خوشبودار گلوریاں، بسے ہوئے حقے، تخلئے کا جلسہ، آپس کی چہلیں، بے تکلفی کی باتیں، ایسے ہی جلسوں میں بیٹھ کر دُنیا ومافیہا کا تو ذکر کیا، انسان خُدا کو بھی بھول جاتا ہے اور اسی کی سزا ہے کہ ایسے جلسے بہت ہی جلد برہم ہو جاتے ہیں اور ان کا افسوس مرتے دم تک رہتا ہے بلکہ شاید مرنے کے بعد بھی۔

لذتِ معصیتِ عشق نہ پوچھ
خُلد میں بھی یہ بلا یاد آئی

واقعی سلطان صاحب کو مجھ سے اور مجھے اُن سے محبت تھی دونوں کے مذاق کچھ ایسے ملتے ہوئے تھے کہ عمر بھر کا ساتھ ہوتا تو کبھی ملال نہ ہوتا سلطان صاحب کو شعر وسخن کا شوق تھا اور مجھے بھی بچپن سے اس کی لت ہے سلطان صاحب سے جیسا میرا دل ملا اور کسی سے نہیں ملا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اسی سبب سے محبت کرتے تھے۔ بات بات میں شعر پڑھتے تھے، میں جواب دیتی تھی۔ مگر افسوس فلک تفرقہ انداز نے وہ جلسہ بہت ہی جلد برہم کر دیا۔

دل یہ کہتا ہے فراقِ ماہ و انجم دیکھ کر
ہائے کیا کیا صحبتیں راتوں کو برہم ہو گئیں

رُسوا۔ اچھا وہ سب کچھ تو ہوا آپ کے قدم کی برکت سے ایسے ایسے بہت سے جلسے برہم ہو گئے ہوں گے۔

امراؤ۔ واہ مرزا صاحب! تو کیا میرے دُشمن بھن پیرے ہیں؟ یہ آپ نے خوب کہی۔

رُسوا۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر سلامتی سے جہاں آپ تشریف لے گئیں صفائی ہو گئی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

امراؤ۔ آپ جو چاہے کہئے۔ اگر ایسا جانتی کہ آپ یہ کہیں گے تو اپنی روداد ہرگز نہ بیان کرتی۔ خیر! اب قصور ہوا۔

رسوا۔ قصور؟ یہی تو آپ نے زندگی بھر میں ایک، کام کیا ہے جس سے آپ کا نام دنیا میں رہ جائے گا۔ خواہ نیک نامی کے ساتھ خواہ بدنامی کے ساتھ۔ اس کا میں ذمہ نہیں کرتا۔ اب اس بات کو یہیں تک رہنے دیجئے۔ ذرا اس غزل کے دو تین شعر اور یاد ہوں تو پڑھ دیجئے۔

امراؤ۔ آپ بھی آدمی کو خوب بناتے ہیں۔

رسوا۔ خیر! بگاڑتا نہیں۔ اچھا اب شعر پڑھیے۔

امراؤ۔ اچھا سنئے۔ ایک مطلع اور دو شعر اور یاد ہیں۔

درد دل کی لذتیں صرفِ شبِ غم ہو گئیں
طولِ فرقت سے بہت بے تابیاں کم ہو گئیں
وہ جو بیٹھے سوگ میں زلفِ رسا کھولے ہوئے
حسرتیں میری شریکِ بزمِ ماتم ہو گئیں
ہمنشیں دیکھی نحوست داستانِ ہجر کی
صحبتیں جنکے نہ پائی تھیں کہ برہم ہو گئیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

(۸)

اُسی زمانے میں نواب جعفر علی خاں صاحب کی ملازم ہوئی۔ سن شریف کوئی ستر برس کے قریب تھا، منہ میں ایک دانت نہ تھا۔ پشت خم ہوگئی تھی، سر میں ایک بال سیاہ نہ تھا۔ مگر اب تک اپنے کو پیار کرنے کے لائق سمجھتے تھے، ہائے وہ ان کا کیچلی کا انگرکھا اور گلبدن کا پائجامہ، لال نیفہ، مصالحہ دار ٹوپی، کا کلیں بٹی ہوئی عمر بھر نہ بھولیں گے۔

آپ کہئے گا اس عمر اور ایسی حالت میں رنڈی رکھنا کیا ضرور تھا؟ سُنئے! مرزا صاحب! اس زمانے کا فیشن یہی تھا۔ کوئی امیر، رئیس ایسا بھی ہوگا جس کے پاس رنڈی نہ ہو۔ نواب صاحب کی سرکار میں جہاں اور سامان شان و شوکت کے تھے وہ سلامتی منانے کے لئے جلوہیوں میں ایک رنڈی کا بھی اسم بہ چھتّر روپیہ ماہوار دیتے تھے، دو گھنٹہ کے لئے مصاحبت کرکے چلی آتی تھی۔ اور تکلّف سُنئے، نواب بوڑھے ہوگئے تھے مگر کیا مجال نو بجے کے بعد دیوان خانہ میں بیٹھ سکیں۔ اگر کسی دن اتفاق سے دیر ہوگئی۔ کھلائی آکے زبردستی اُٹھا لے جاتی تھی نواب صاحب کی والدہ زندہ تھیں۔ ان سے اسی طرح ڈرتے تھے، جس طرح پانچ برس کا بچّہ ڈرتا ہے۔ بیوی سے بھی انتہا کی محبت تھی بچپن میں شادی ہوئی تھی مگر سوائے عشرۂ محرم کی شبوں کے کسی دن علیحدہ سونے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔

آپ تو ہنستے ہوں گے مگر میرے دل سے پوچھئے، بے شک، پیار کرنے کے قابل

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تھے۔ اس بڑھاپے میں جس وقت سوز پڑھتے تھے دل لوٹ جاتا تھا۔

فن موسیقی میں ان کو کمال تھا۔ کیا مجال کوئی ان کے سامنے گا سکے اچھے اچھے گویوں کو ٹوک دیا۔ سوز خوانی میں یکتا تھے۔ سندی سوز میر علی صاحب کے ان کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی ملازمت سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ سینکڑوں سوز یاد ہو گئے۔ دور دور میری شہرت ہو گئی۔

خانم کی تعزیہ داری تمام شہر کی رنڈیوں سے بڑھ چڑھ کے تھی، امام باڑہ میں جھاڑ، ٹکے، شیشہ آلات، جو شے تھی نادر تھی۔ عشرۂ محرم میں دس روز تک مجلس ہوتی تھی۔ عاشورے کے دن سینکڑوں محتاج مومنین کی فاقہ شکنی کی جاتی تھی۔ چہلم تک ہر جمعرات کو مجلس ہوتی تھی۔

میری سوز خوانی مشہور تھی۔ ایسی ترکیبیں اور کسی کو کب یاد تھیں۔ بڑے بڑے سوز خواں میرے سامنے منھ نہ کھول سکتے تھے۔ اسی سوز خوانی کی بدولت نواب ملکہ کشور کے محل تک میری رسائی ہوئی۔ جہاں پناہ نے خود میری نوحہ خوانی کی تعریف کی۔ سرکار شاہی سے مجھ کو بہت کچھ ہر محرم میں عطا ہوتا تھا۔

مرثیہ خوانوں میں میرا اسم تھا۔ شب کو امام باڑہ میں ماتم کر کے مجھے در دولت پر حاضر ہونا پڑتا تھا۔ کوئی دو بجے رات کو وہاں سے آتی تھی۔

جس زمانے میں بسم اللہ کی مسی ہوئی تھی نواب چھبن صاحب کے چچا کربلائے معلیٰ گئے ہوئے تھے۔ بسم اللہ کی مسی کو کوئی چھ مہینے گذرے ہوں گے کہ وہ کربلا سے تشریف لائے۔ ان کی لڑکی کی نواب کے ساتھ منگنی ہو گئی تھی انھوں نے آتے کے ساتھ ہی شادی پر زور دیا۔ نواب صاحب بسم اللہ جان پر مرتے تھے۔ ادھر بسم اللہ جان نے گھر میں بیٹھ جانے کا فقرہ دے رکھا تھا، صاف انکار کر دیا، مگر انکار چلتا کب تھا، شاہی زمانہ ان کی لڑکی پر تگالی چڑھ چکی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تھی، وہ کب مانتے تھے۔ ایک شب کو نواب کے مکان پر جلسہ ہے، مصاحبین جمع ہیں۔ بسم اللہ نواب کے پہلو میں بیٹھی ہے۔ اس رات کو بسم اللہ کے ساتھ میں بھی چلی گئی تھی۔ سامنے بیٹھی گا رہی ہوں نواب صاحب طنبورہ چھیڑ رہے ہیں۔ نواب کے ایک مصاحب خاص دلبر حسین طبلہ بجا رہے ہیں۔ اتنے میں ایک خبردار نے خبر دی کہ بڑے نواب صاحب (نواب صاحب کے چچا) تشریف لاتے ہیں۔ نواب صاحب یہ سمجھے کہ آئے ہیں تو اندر محل میں بیگم صاحب (نواب صاحب کی والدہ) کے پاس جائیں گے ہم سب کو بھی یہی خیال تھا مگر وہ دراتے دیوان خانہ میں گھسے چلے آئے آکے جو دیکھا تو یہ جلسہ ہے۔ آگ بگولہ ہو گئے۔ خیر ان کے آنے کے ساتھ ہی گانا تو موقوف ہوا نواب صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے۔

بڑے نواب۔ خیر اب تعظیم و تکریم کو رہنے دیجئے مجھے ایک امر ضروری عرض کرنا ہے۔ ورنہ آپ کے عیش میں خلل انداز نہ ہوتا۔

نواب۔ ارشاد۔

بڑے نواب۔ آپ بچے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں میرے چھوٹے بھائی نواب احمد علی خاں مرحوم نے والدہ مرحومہ کے سامنے انتقال کیا تھا۔ اس وجہ سے آپ محجوب الارث ہیں، کوئی حق آپ کا اس جائداد میں نہیں ہے جس پر آپ قابض اور متصرف ہیں۔ بے شک والدہ مرحومہ نے آپ کو بیٹا کہا تھا اور مرتے وقت آپ کے نام وصیت بھی کر گئی ہیں۔ مگر وہ کوئی چیز نہیں، صرف ایک ثلث جائداد بنا بر اس وصیت نامہ کے آپ کو مل سکتی ہے لوگوں کے کہنے سننے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک ثلث سے زیادہ صرف کر چکے ہیں۔ خیر ثلث کا مجھ کو دعویٰ نہیں اور زیادہ کی آپ سے باز پرس نہ کی جائے گی۔ اس لئے کہ آپ میرے خون و جگر ہیں (اس کے بعد بڑے نواب صاحب آبدیدہ ہو گئے مگر

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

!! ग्रामे-ग्रामे सभा कार्या, ग्रामे-ग्रामे कथा शुभा !!

LUCKNOW-22

--- 4 ---

दिनांक..........

भुवनवाणी ट्रस्ट द्वारा प्रकाशित ग्रंथ -

अब तक सम्पूर्ण हो चुके एवं हस्तगत योजनाओं का विवरण

भाषा	ग्रन्थ - नाम	
1- तेलुगु	रंगनाथ रामायण (13वीं शती)	3
2- "	मोल्ल रामायण (14वीं शती)	4
3- "	पोतन्न महाभागवतम् (13वीं शती) सम्पूर्ण 3 खंड में	6
4- कन्नड	रामचन्द्रचरित पुराणम् (11वीं शती) जैन सम्प्रदाय	6
5- "	तोरवे रामायण (16वीं शती)	14
6- मलयालम	महाभारत (एकुत्तच्छनकृत) 15वीं शती	12
7- "	अध्यात्मरामायण, उत्तर रामायण (15वीं शती)	7
8- तमिळ	कम्ब रामायण (9वीं शती) सम्पूर्ण 5 जिल्दों में,	43
9- "	तिरुक्कुरळ् (तिरुवळ्ळुवरकृत) 2000 वर्ष प्राचीन	3
10- "	[illegible]	

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust
CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پھر ضبط کر کے) آپ اس جائداد پر مدّت العمر قابض و متصرف رہتے۔ میری ذاتی جائداد میرے خرچ کے لئے کفالت کرتی ہے اور اس جائداد کے بھی آپ ہی وارث ہوتے مگر آپ کی بد وضعی نے مجھے مجبور کیا کہ آپ کو اس جائداد موروثی سے بے دخل کر دوں۔ بزرگوں کی نیک کمائی حرام کاری میں مٹانے کے لئے نہیں ہے۔ منصف الدولہ کے آدمی میرے ہمراہ ہیں۔ اس وقت تمام گھر کا تعلیقہ ہوگا۔ آپ فوراً مع ارباب نشاط یہاں سے تشریف لے جائیے۔

نواب۔ تو اس جائداد میں میرا کوئی حق نہیں؟

بڑے نواب۔ جی نہیں۔

نواب۔ اچھا ایک ثلث پانے کا مستحق ہوں۔

بڑے نواب۔ وہ آپ لے چکے اور اگر آپ کو کچھ دعویٰ ہے تو درِ دولت پر تشریف لے چلئے۔ میرے نزدیک آپ کا ایک حبّہ نہیں۔

نواب۔ تو اچھا اماں جان کو میں اپنے ساتھ لیتا جاؤں گا۔

بڑے نواب۔ وہ آپ سے دستبردار ہوتی ہیں۔ وہ میرے ساتھ کربلا جائیں گی۔

نواب۔ تو اچھا میں کہاں جاؤں؟

بڑے نواب۔ یہ میں کیا جانوں۔ یہ اپنے مصاحبین اور ملازمین اور معشوقہ سے دریافت کیجئے۔

نواب۔ اچھا تو میرے کپڑے، اسباب وغیرہ تو دے دیجئے۔

بڑے نواب۔ اس مکان میں آپ کا کوئی اسباب نہیں ہے، نہ آپ کے ذاتی بنوائے ہوئے کپڑے ہیں۔

اس کے بعد منصف الدولہ کے آدمی دیوان خانے میں چلے آئے۔ نواب صاحب

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کو مع مصاحبین وارباب نشاط گھر سے باہر کیا۔

ہم لوگوں نے گھر سے نکلتے ہی ڈولیاں کرایہ پر کیں، چوک کا راستہ لیا۔ مصاحبین اور نواب صاحب خُدا جانے کہاں گئے۔

سُنا ہے کہ مصاحبین ایک ایک کر کے راستہ ہی سے رخصت ہو گئے نواب کے والد کا ایک قدیم ملازم مخدوم بخش جس کو نواب صاحب نے بیکار سمجھ کر نوکری سے برطرف کر دیا تھا راستہ میں ملا۔ اس نے حال دریافت کیا۔ ان کی بےکسی پر ترس کھا کے اپنے گھر لے آیا۔

نواب صاحب کے گھر سے آنے کے بعد شب کو بسم اللہ کے کمرے میں جلسہ ہے۔ میاں حسنو نواب صاحب کے خاص کارکُن مصاحب، دوست، جاں نثار، جہاں نواب کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون گرانے والے تشریف رکھتے ہیں۔ آج ہی کچھ نہیں آئے ہیں پہلے بھی نواب کے چوری چھپے آیا کرتے تھے۔ مگر آج کھلے خزانے بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھے ہیں اس وقت آپ بسم اللہ جان پر گویا بےشرکت واحدے و بے مزاحمت غیرے قابض و متصرف ہیں۔ نوکری کی گفتگو ہو رہی ہے۔

حسنو۔ دیکھو بسم اللہ جان! نواب سے تو اب کوئی اُمید نہ رکھو۔ مَیں جو کچھ کہو وہ دے دیا کروں۔ غریب آدمی ہوں زیادہ تو میری اوقات نہیں جو نواب صاحب دیتے تھے اس کا نصف بھی ممکن نہیں۔ مگر ہاں کسی نہ کسی طرح آپ کو خوش رکھوں گا۔

بسم اللہ۔ غریب آدمی ہو، یہ نہیں کہتے کہ نواب کی دولت سکاٹ کے گھر میں بھری اور پھر ہم سے غریبی بیان ہوتی ہے۔ ایسے غریبوں کو تاؤ تو ٹوٹ سن چربی سے کم نہ نکلے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

حسنو۔ ہیں ہیں! تم تو ایسا نہ کہو، وہ نواب کے پاس تھا ہی کیا جو میں گھر بھر لیتا کیا میری والدہ صاحبہ کے پاس کچھ کم تھا۔

بسم اللہ۔ آپ کی والدہ صاحبہ بوا فرخندہ نواب سرفراز محل کی خاصہ والیوں میں تھیں نہ؟

میر حسنو۔ (جھینپ کر) وہ جو کوئی ہوں، جب مری ہیں تو کوئی چار ہزار کا زیور چھوڑ کے مری ہیں۔

بسم اللہ۔ وہ آپ کی بیوی کے یار کے ساتھ نکل گئیں۔ آپ کے پلّے کیا پڑا۔ میرے آگے ذرا شیخی نہ بگھاریئے۔ مجھے رتی رتی آپ کا حال معلوم ہے۔

حسنو۔ تو کیا والد کے پاس کچھ کم تھا۔

بسم اللہ۔ والد آپ کے نواب حسن علی خاں کے چڑی ماروں میں تھے۔

حسنو۔ چڑی ماروں میں؟

بسم اللہ۔ اچھا وہ مرغ بازوں میں سہی۔

حسنو۔ مرغ بازوں میں تھے؟

بسم اللہ۔ اچھا وہ بٹیر باز سہی۔ تھا تو چڑی مار کا کام۔

حسنو۔ لیجئے آپ تو مذاق کرتی ہیں۔

بسم اللہ۔ میں کھری کہتی ہوں، اسی سے بُری مشہور ہوں اور کہتی بھی ہ... ارے چھچھورے پن پر جی جل گیا۔ یوں تم آتے تھے۔ میں نے کبھی منع نہیں ...ج ہی تو نواب پر یہ واردات گذری آج ہی آپ نے میرے منہ در منہ نوکری کا پیغام دیا۔ ہوش کی دوا کرو۔ تم کیا نوکر رکھو گے، یہی نہ ایک مہینہ دو مہینہ، تین سہی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اور اصل روپے دے کے چھڑا لیا۔ حسنو نے جب اس کڑے کی جوڑی کے لئے باز پرس ہوئی تو صاف مکر گیا کہ میری معرفت گروی نہیں ہوئے۔

اسی سے میاں حسنو کی کور دبی تھی۔

بسم اللہ۔ (حسنو کے چلے جانے کے بعد مجھ سے) دیکھا بہن یہ بڑا قابو چی ہے۔ نواب کا گھر اسی موذی نے تہس نہس کیا۔ میں مدت سے اس سونے کی تاک میں تھی آج ہی تو داؤں پر چڑھا ہے۔ یہ کڑے میں اس کو کب دیتی ہوں۔ کر ہی کیا سکتا ہے۔ چوری کا تو مال ہے۔

میں۔ ہرگز نہ دینا۔ دینا ہے تو نواب کو دے دو احسان ہوگا۔

بسم اللہ۔ نواب کو بھی نہ دوں گی۔ بہن گیارہ سو کی جوڑی ہے موئے نے سوا دو سو روپے پر ہتھیا لی تھی۔ زیادہ بریں نیست۔ سوا دو سو حوالے کروں گی۔ دس بیس سود کے سہی۔

میں۔ بھلا مہاجن یوں کیوں دینے لگا۔

بسم اللہ۔ مہاجن! اسی نے روپے دئے تھے اور جب بڑے نواب نے پوچھا تو کیسا مکر گیا۔ اگر یہ کچھ زیادہ ٹرٹیں کریں گے تو ان کو کوتوالی کا چبوترہ دکھاؤں گی۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ نواب صاحب تشریف لائے، پا پیادہ اکیلے۔ چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ نہ وہ شان نہ وہ شوکت، نہ وہ رعب و داب، نہ وہ بے تکلفی۔ چپکے سے آکے بیٹھ رہے۔

سچ کہوں میری تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر میں نے اپنے کو روکا۔ مگر واہ ری بسم اللہ رنڈی ہو تو ایسی ہو۔ آنے کے ساتھ ہی کڑوں کا قصہ چھیڑ دیا۔

بسم اللہ۔ نواب دیکھو یہ وہی کڑے کی جوڑی ہے نا جو تم نے اس دن

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

حسنو کو گروی کرنے کو دی تھی۔

نواب۔ وہی ہیں۔ وہ تو مکر گیا تھا کہ میرے ہاتھوں گروی نہیں ہوئے۔

بسم اللہ۔ کتنے پر گروی ہوئے تھے؟

نواب۔ یہ تو یاد نہیں شاید ڈھائی سو یا سوا دو سو کچھ ایسے ہی تھے۔

بسم اللہ۔ اور سود کیا تھا؟

نواب۔ سود کا حساب کس نے آج تک کیا۔ جو چیز گروی ہوئی پھر اُس کے چھڑانے کی نوبت کبھی نہیں آئی جو سود کا حساب کیا جاتا۔

بسم اللہ۔ اچھا تو یہ کڑے میں لے لوں؟

نواب۔ لے لو۔

بسم اللہ۔ کہو تو میاں حسنو کو مرزا صاحب کے پاس بھیجوں؟

نواب۔ نہیں، میرے سر کی قسم ایسا نہ کرنا سید ہے۔

بسم اللہ۔ سیّد ہے؟ اس کے باپ کا تو پتہ نہیں۔

نواب۔ خیر، وہ تو اپنے مُنہ سے کہتا ہے۔

میں اپنے دل میں نواب کی ہمت پر آفریں کرنے لگی۔ واہ ری ہمت کیا کہنا خاندانی رئیس ہیں نہ۔

بسم اللہ کی بے مروتی دیکھئے۔ نواب سے وہی چھٹن جان کے گھر جانے کا بہانہ کر کے ان کو سویرے سے رخصت کر دیا۔ خدا جانے کس سے وعدہ تھا اس واقعے کے دوسرے تیسرے دن کا ذکر ہے۔ میں خانم کے پاس بیٹھی ہوں اتنے میں ایک بوڑھی سی عورت آئی۔ خانم صاحب کو جُھک جُھک کے سلام کیا۔ خانم نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سامنے بیٹھ گئی۔

خانم۔ کہاں سے آئی ہو؟

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بُڑھیا۔ کیا بتاؤں کہاں سے آئی ہوں، کوئی ہے تو نہیں کیوں؟

خانم۔ بوا یہاں کون ہے؟ میں ہوں تم ہو اور یہ چھوکری، اس کو بات سمجھنے کی تمیز نہیں، کہو۔

بُڑھیا۔ مجھے نواب فخر النسا، بیگم نے بھیجا ہے۔

خانم۔ کون فخر النسا، بیگم صاحبہ؟

بُڑھیا۔ اے تو تم نہیں جانتیں، نواب چھبن صاحب ......

خانم۔ سمجھی کہو۔

بُڑھیا۔ بیگم صاحب نے مجھے بھیجا ہے۔ آپ بسم اللہ جان کی اماں ہیں نا؟

خانم۔ ہاں، بات کہو۔

بُڑھیا۔ بیگم صاحب نے کہا ہے کہ "چھبن صاحب میرا اکلوتا لڑکا ہے میں بھی اس پر پروانہ ہوں اور اس کا باپ بھی پروانہ تھا۔ میرے نازوں کا پالا ہے اور اس کا چچا بھی دشمن نہیں ہے۔ اپنی اولاد سے بڑھ کے سمجھتا ہے۔ اس کی بھی ایک اکلوتی لڑکی ہے، چھبن کی منگیتر۔ لڑکی پر گالی چڑھ چکی ہے۔ چھبن نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ اسی پر چچا کو برا معلوم ہوا میں نے دخل نہیں دیا۔ سب تنبیہ کے لئے کیا گیا ہے۔ تمہاری لڑکی کا عمر بھر کا گھر ہے۔ جو تنخواہ لڑکا دیتا تھا اس سے دس اوپر مجھ سے لینا مگر اتنا احسان مجھ پر کرو کہ شادی پر راضی کر دو۔ شادی کے بعد سب جائداد اسی کی ہے۔ سوا اس کے اور کون ہے میری اور چچا کی جان و مال کا مالک ہے مگر اتنا خیال رکھو کہ یہ گھر تباہ نہ ہونے پائے۔ اس میں تمہارا بھی بھلا ہے اور ہمارا بھی۔ آئندہ تم کو اختیار ہے"۔

خانم۔ بیگم صاحبہ کو میری طرف سے آداب تسلیمات کہنا اور عرض کرنا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

، جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے خُدا چاہے تو وہی ہوگا۔ میں آپ کی عمر بھر
بندی ہوں۔ مجھ سے کوئی امر خلاف نہ ہوگا، خاطر جمع رکھئے۔
بڑھیا۔ مگر بیگم صاحب نے کہا ہے کہ چھبن کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔
ندی لڑکا ہے اگر کہیں معلوم ہوگا تو ہرگز نہ مانے گا۔
خانم۔ (ماما سے) کیا مجال (مجھ سے) دیکھ چھوکری کہیں کسی سے یہ
ے بیٹھنا۔
میں۔ جی نہیں۔
اس کے بعد بڑھیا نے علیحدہ لے جا کے خانم سے چپکے چپکے باتیں کیں
نے نہیں سُنیں۔ ماما کے رخصت کے وقت خانم کو اتنا کہتے سُنا۔
انم۔ میری طرف سے عرض کرنا اس کی کیا ضرورت تھی۔ ہم لوگ تو
خوار ہیں۔
ھیا کے جانے کے بعد خانم نے بسم اللہ کو بُلا بھیجا اور کچھ ایسے انچھر
نک دئے کہ اب جو نواب صاحب آئے تو وہ آؤ بھگت ہوئی کہ
ر ملنے میں بھی کبھی نہ ہوئی تھی۔
صاحب بیٹھے ہیں۔ بسم اللہ سے اختلاط کی باتیں ہو رہی ہیں میں بھی
اتنے میں خانم صاحب بسم اللہ کے کمرے کے دروازہ پر جا کے

وہی

ے لوگو! ہم بھی آویں؟
۔ (نواب سے) ذرا سرک بیٹھو اماں آتی ہیں (خانم سے) آئیے۔
ساسنے آتے ہی نوا... تین تسلیمیں کیں۔ میں نے آج کے دن سوا
ج مؤدب ہو کر سلام کرتے نہ دیکھا تھا۔

دفعتًا
الے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خانم۔ (نواب سے) حضور کا مزاج کیسا ہے؟

نواب۔ (گردن جھکا کے) الحمد للہ۔

خانم۔ خدا خوش رکھے۔ ہم لوگ تو دعا گو ہیں ہزار برس جائیں مگر پھر وہی ٹکے کی مال زادی آپ کے ہاتھ کے دیکھنے والے۔ آپ کو خدا نے رئیس کیا ہے، اس وقت ایک عرض لے کے حاضر ہوئی ہوں۔ یوں تو بسم اللہ خدا رکھے سال بھر سے آپ کی خدمت میں ہے مگر میں نے کبھی آپ کو تکلیف نہیں دی، بلکہ حضور کے سلام کو بہت کم حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ اس وقت ایسی ہی ضرورت تھی جو چلی آئی۔

خانم تو یہ باتیں کر رہی ہیں، بسم اللہ ان کا منہ دیکھ رہی ہیں کہ کیا کہہ رہی ہیں میں کسی قدر بات کا پہلو سمجھے ہوئے تھی۔ نواب اس کی طرف دیکھ رہے تھے نواب کا یہ حال ہے کہ چہرے سے ایک رنگ جاتا ہے اور ایک آتا ہے آنکھیں جھپی جاتی ہیں۔ مگر چپکے بیٹھے ہیں۔

خانم۔ تو پھر عرض کروں؟

نواب۔ (بہت ہی مشکل سے) کہئے۔

خانم۔ (مجھ سے) ذرا بوا حسینی کو بلا لانا۔

میں گئی اور بوا حسینی کو بلا لائی۔

خانم۔ (بوا حسینی سے) بوا ذرا دوشالے کی جوڑی تو اٹھا لانا وہی جو کل بکنے کو آگئی ہے۔

"بکنے کو آگئی ہے"، ان لفظوں نے نواب پر وہی اثر کیا جیسے کسی پر دفعتاً بجلی گرے، مگر بہت ضبط کر کے چپکے بیٹھے رہے۔ اتنے میں بوا حسینی دوشالہ لے آئیں کیسا پرمتن زرکار دوشالہ کہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خانم۔ (نواب کو دوشالہ دکھا کے) دیکھئے یہ دوشالہ کل بکنے کو آیا ہے سوداگر دو ہزار کہتا ہے۔ پندرہ سو تک لوگوں نے لگا دئے ہیں وہ نہیں دیتا میری نگاہ میں سترہ سو بلکہ اٹھارہ سو تک مہنگا نہیں ہے اگر حضور یہ ورش کریں تو بھلا اس بڑھاپے میں آپ کی بدولت ایک دوشالہ تو اور اوڑھ لوں۔

نواب خاموش بیٹھے رہے۔ بسم اللہ کچھ بولا ہی چاہتی تھیں کہ خانم نے نواب سے کہا۔

خانم۔ ٹھہر لڑکی تو ہمارے بیچ میں نہ بولنا۔ تو تو آئے دن فرمائش کیا کرتی ہے۔ ایک فرمائش ہماری بھی سہی۔

نواب پھر چپکے بیٹھے ہیں۔

خانم۔ اوئی نواب! سخی سے سوم بھلا جو جلدی دے جواب۔ کچھ تو ارشاد کیجئے۔ سکوت سے تو بندی کو تسکین نہ ہو گی۔ ہاں نہ سہی نہیں سہی۔ کچھ تو کہہ دیجئے۔ میرے دل کا ارمان تو نکل جائے۔

نواب۔ اب بھی چپ ہیں۔

خانم۔ للہ حضور! جواب دیجئے۔ یوں تو میری حقیقت ہی کیا ہے۔ موئی بازاری کسبی۔ مگر آپ ہی لوگوں کی عزت دی ہوئی ہے۔ برائے خدا ان چھوکریوں کے سامنے تو مجھ بڑھیا کو ذلیل نہ کیجئے۔

نواب۔ (آبدیدہ ہو کر) خانم صاحب! اس دوشالے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ مگر تم کو شاید میرا حال معلوم نہیں۔ کیا بسم اللہ جان نے کچھ نہیں کہا اور امراؤ جان بھی تو اس دن تھیں۔

خانم۔ مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ کیوں؟ خیر تو ہے؟

بسم اللہ کچھ بولنے کو تھیں کہ خانم نے آنکھ کا اشارہ کیا وہ چپ ہو رہیں۔ ٹال کے ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ میں پہلے ہی سے بت بنی بیٹھی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نواب۔ آپ کے دشمن اس قابل نہ رہے جو آپ کی فرمائشوں کو پورا کر سکیں۔

خانم۔ آپ کے دُشمن اس قابل نہ رہے ہوں اور میں ایسی چھچھوری نہیں جو روز فرمائشیں کیا کروں۔ فرمائشیں کریں نہ کریں بسم اللہ کریں بھلا میں بوڑھی آڑھی میری فرمائشیں کیا اور میں کیا۔

یہ کہہ کے خانم نے ایک آہ سرد بھری۔ ہائے تقدیر اب ہم اس لائق ہو گئے کہ ایسے ایسے رئیس ایک ذرا سے جیتھڑے کے لئے ہم سے مُنہ چھپاتے ہیں۔

میں دیکھ رہی تھی کہ خانم کا ایک ایک فقرہ نواب کے دل پر نشتر کا کام دے رہا تھا۔

نواب۔ خانم صاحب آپ سب لائق ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں اب میں اس لائق نہیں رہا جو کسی کی فرمائش پوری کروں۔

اس کے بعد نواب نے اپنی تباہی کا مختصر حال کہا۔

خانم۔ خیر میاں! اس لائق تو آپ نہیں رہے کہ ایک ادنیٰ سی فرمائش پوری کریں۔ پھر تو لونڈی کے مکان پر آنا کیا فرض تھا۔ حضور کو نہیں معلوم کہ بیسوائیں چار پیسے کی میت ہوتی ہیں۔ کیا آپ نے یہ مثل نہیں سُنی کہ رنڈی کس کی جورو؟ ہم لوگ مروت کریں تو کھائیں۔ یوں آئیے، آپ کا گھر ہے، میں منع نہیں کرتی۔ مگر آپ کو اپنی عزت کا خود ہی خیال چاہیے۔

یہ کہہ کے خانم فوراً کمرے سے باہر چلی گئیں۔

نواب۔ واقعی مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ انشاءاللہ نہ آؤں گا۔

یہ کہہ کے وہ اُٹھنے کو تھے کہ بسم اللہ نے دامن پکڑ کے بٹھا لیا۔

بسم اللہ۔ اچھا تو اس کرتے کی جوڑی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

نواب۔ (کسی قدر ترش ہو کے) میں نہیں جانتا۔

بسم اللہ۔ اے واہ تو تم بالکل ہی خفا ہو گئے۔ جاتے کہاں ہو، ٹھہرو۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نواب۔ نہیں بسم اللہ جان اب مجھ کو جانے دو۔ اب میرا آنا بیکار ہے۔ جب خدا ہمارے دن پھیرے گا تو دیکھا جائے گا۔ اور اب کیا دن پھریں گے۔

بسم اللہ۔ میں تو نہ جانے دوں گی۔

نواب۔ تو کیا اپنی اماں سے جوتیاں کھلواؤ گی؟

بسم اللہ۔ (مجھ سے) ہاں سچ تو یہ ہے بہن امراؤ۔ آج یہ بڑی بی کو ہوا کیا تھا۔ برسوں ہو گئے میرے کمرے میں آج تک جھانکی نہیں۔ آج آئیں بھی تو قیامت برپا کر گئیں۔ بھئی اماں چاہے خفا ہو جائیں چاہے خوش ہوں میں نواب سے رسم نہیں ترک کر سکتی۔ آج نہیں ہے ان کے پاس نہ سہی۔ ایسی بھی کیا آنکھوں پہ ٹھیکری رکھ لینا چاہئے۔ آخر یہی نواب ہیں جن کی بدولت ہزاروں روپے اماں جان نے پائے۔ آج زمانہ ان سے پھر گیا تو کیا ہم بھی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ گھر سے نکال دیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اب اگر اماں زیادہ تنگ کریں گی تو بہن امراؤ میں سچ کہتی ہوں (نواب کا ہاتھ پکڑ کے) کسی طرف کو نکل جاؤں گی۔ لو میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

میں بسم اللہ کی باتیں بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔

بسم اللہ۔ اچھا تو نواب تم کہاں رہتے ہو؟

نواب۔ کہاں بتاؤں۔

بسم اللہ۔ آخر کہیں تو؟

نواب۔ تحسین گنج میں مخدوم بخش کے مکان پر رہتا ہوں۔ افسوس میں نہ جانتا تھا کہ مخدوم ایسا نمک حلال آدمی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اس سے بہت ہی شرمندہ ہوں۔

میں۔ یہ وہی مخدوم بخش ہے نا، جو آپ کے والد کے وقت سے نوکر تھا۔ جسے آپ نے موقوف کر دیا تھا؟

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نواب - ہاں وہی مخدوم بخش - کیا کہوں اس وقت وہ کیسا کام آیا خیر اگر خدا نے چاہا.....

اتنا کہہ کے نواب کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر پڑے اس کے بعد نواب بسم اللہ کے ہاتھ سے دامن چھڑا کر کمرے کے باہر چلے گئے - میرا ارادہ تھا کہ نواب سے چلتے وقت کچھ باتیں کروں گی اور اسی لئے ان کے ساتھ ہی اُٹھی تھی مگر وہ اس قدر جلد زینے سے اُتر گئے کہ میں کچھ نہ کہہ سکی - نواب کے تیور اس وقت بہت بُرے تھے - خانم کی باتوں نے نواب کے دل پر سخت اثر کیا تھا - ان کی حالت بالکل مایوسی کی تھی - اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب باتیں خانم نے جو کی ہیں وہ سب اس فہمائش کی تمہید ہے جو اور کسی وقت پر موقوف رکھی گئی ہے - مگر مجھے بہت ہی تشویش تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے ایسا نہ ہو کچھ کھا کے سو رہیں تو اور غضب ہو -

سر شام میں اور بسم اللہ دونوں سوار ہو کے تحسین گنج گئے - مخدوم بخش کا مکان بڑی مشکل سے ملا - کہاروں نے اس کے دروازے پر آواز دی - ایک چھوٹی سی لڑکی اندر سے نکلی - اس سے معلوم ہوا کہ مخدوم بخش گھر پر نہیں ہے - نواب کو پوچھا - اس نے کہا وہ صبح سے کہیں گئے ہوئے ہیں ابھی تک نہیں آئے - دو گھنٹہ تک انتظار کیا - نہ نواب صاحب آئے نہ مخدوم بخش - آخر مایوس ہو کر گھر چلے آئے - دوسرے دن صبح کو مخدوم بخش نواب کو ڈھونڈتا ہوا آیا - معلوم ہوا کہ رات کو بھی اس کے مکان نہیں گئے - شام کو ان کی والدہ کی وہی ماما بڑھیا جو ایک دن خانم کے پاس آئی تھی روتی پیٹتی آئی - اس سے بھی یہی خبر ملی کہ نواب کا کہیں پتہ نہیں ہے - بیگم صاحب نے روتے روتے اپنا عجب حال کیا - بڑے نواب سخت متفکر ہیں -

اس واقعہ کو کئی دن گذر گئے اور نواب چھبن صاحب کا کہیں پتہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE